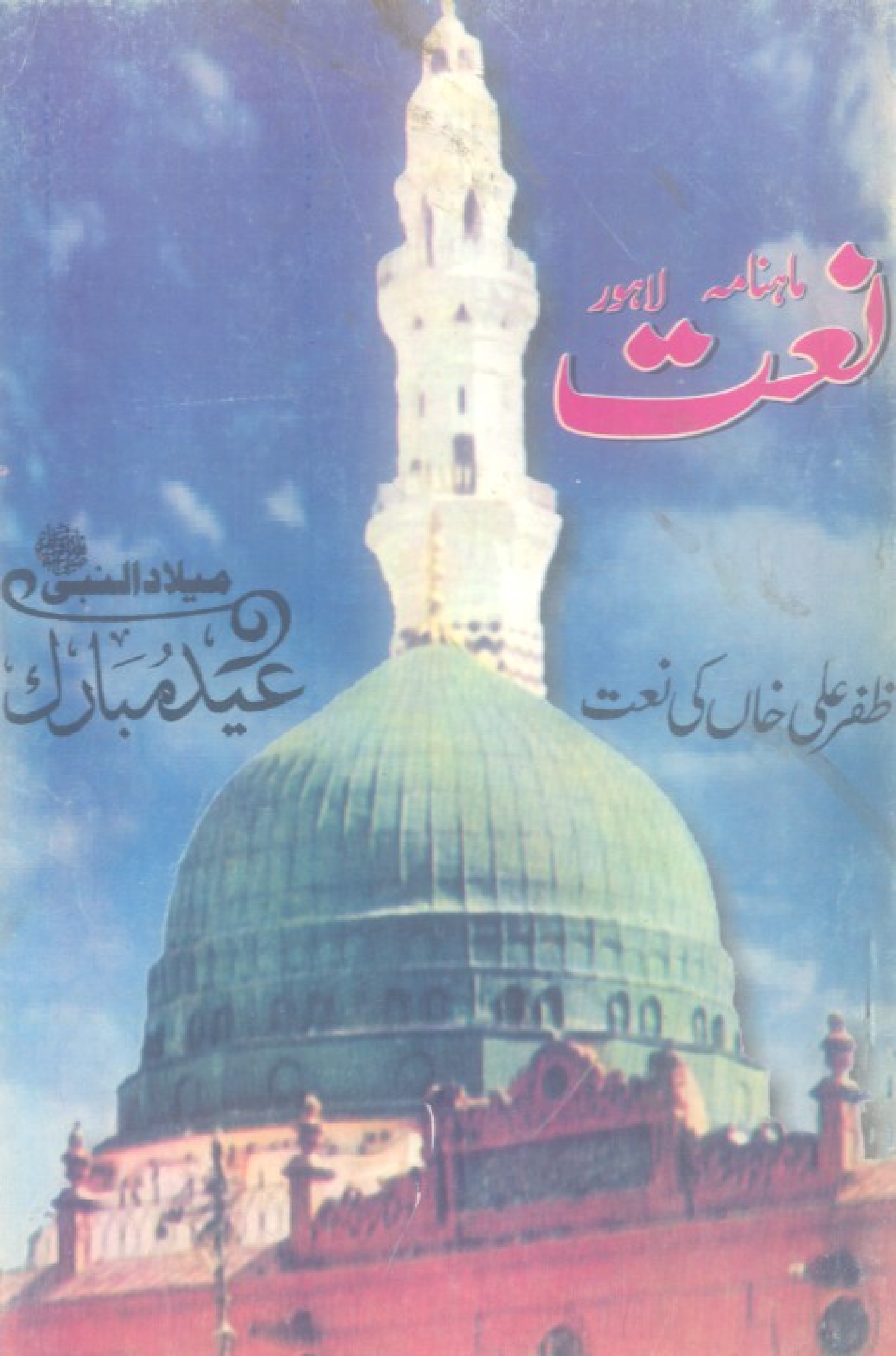

ماہنامہ
نعت
لاہور
میلادالنبی ﷺ
عید مبارک
ظفر علی خاں کی نعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باقاعدہ اشاعت کا چودھواں سال

ماہنامہ
نعت
لاہور

جلد ۱۴ | جون ۲۰۰۱ | شمارہ ۶

ظفر علی خاں کی نعت

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

مشیر خصوصی
چودھری رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ

ڈپٹی ایڈیٹر:
★ شہناز کوثر ★ اظہر محمود

مینیجر: راجا اختر محمود

قیمت:
15 روپے (عام شمارہ)
60 روپے (خصوصی شمارہ)
200 روپے (زرسالانہ)
عرب ممالک کے لیے: 100 ریال

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر۔ جیم پرنٹرز لاہور

کمپیوٹر کمپوزنگ: مدنی گرافکس فون: 230001

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید بک بائنڈنگ ہاؤس 38۔ اردو بازار لاہور

پبلشر:
راجا رشید محمود

ایوانِ نعت
رجسٹرڈ

اظہر منزل، چوک گلی نمبر 5/10، نیو شالامار کالونی ملتان روڈ لاہور (پاکستان)

فون: 7463684
پوسٹ کوڈ: 54500

راجا غلام محمد (صدر ادارہ ابطالِ باطل) کی یاد میں جاری جریدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظفر علی خاں کی نعت

پروفیسر محمد اقبال جاوید



شخصیت کی تعمیر میں توارثی روایات کا عکس بھی ہوتا ہے اور گرد و پیش بکھری ہوئی سچائیوں کے اثرات بھی۔ بسا اوقات وقتی تقاضے بھی سمندِ شوق کے لیے مہمیز بن جایا کرتے ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ ساز تڑپتے، نغمے بکھرتے، جذبات مچلتے اور وقت کے ایوان مہکتے چلے جاتے ہیں کہ زندگی دیپک بھی ہے اور ملہار بھی، آتش بھی ہے اور گلزار بھی۔

مولانا ظفر علی خاں توارثی عظمتوں سے بھی بہرہ ور تھے اور ماحول بھی انہیں ایسا انقلاب آفریں ملا کہ اُن کی شخصیت نکھرتی چلی گئی اور وہ ''فلک کج رفتار کی قبائے زرنگار پر جگمگاتی ہوئی قندیلوں کو گواہ بنا کر'' جو محسوس کرتے رہے، علی الاعلان کہتے رہے، ہاتھ قلم بھی ہوتے رہے مگر وہ دورِ ستم پرور میں رودادِ جنوں لکھتے رہے۔ وہ ایک عہد کے شعر و ادب اور سیاست و خطابت پر چھائے رہے۔ اُن کا قلم اُن کے لیے کبھی ڈھال کا کام دیتا تھا کبھی تلوار کا۔

قوت ایمان نے انہیں زندگی مستعار کے ہر سنگین مرحلے میں سربلند رکھا۔ وہ فرنگی کے ظلم و استبداد سے ٹکرائے۔ انہوں نے خوابِ غفلت میں مدہوش ملتِ اسلامیہ کو جھنجھوڑا، غیرت و حمیت کو بیدار کیا کہ وہ تب عفت کی قبروں کا غازہ

شب تاب بن چکی تھی۔ انہوں نے اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکنے پر مجبور کیا اور اُس دستارِ فضیلت کے بل کھولے جو رہن میخانہ ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے قلم کو سوزِ جاودانی اور اپنی تقریروں کو دریاؤں کی روانی دے کر حضور ﷺ کی ختم المرسلینی پر شب خون مارنے والوں کو غبارِ معصیت بنا کر اڑا دیا۔ ظفر علی خاں نے اُس ماحول کو تازگی اور رعنائی دی جس میں شاخیں سر بریدہ اور کونپلیں دریدہ پیرہن تھیں اور اُس وقت ظلمتوں کو اجالا عطا کیا جب کہ آفتاب کی ہر کرن گریزاں تھی۔ وہ سراسر مثلِ خورشید تھے کہ ''اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے''۔ وہ میدانِ سیاست اور دُنیائے صحافت میں سیماب کی سی بے چینی اور برق کی سی تیزی لے کر ابھرے۔ اُن کے بارے میں حالی کا یہ اعتراف کچھ کم نہیں ہے۔

پھیلے وہ بہ شکلِ سیلِ آتش
دل میں تیرے جو شرر تھے پنہاں

وہ بے قراری کی اس کیفیت کے ساتھ استقامت کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے۔ حق یہ ہے کہ جب شہرِ عشق میں جنوں کا قحط عروج پر تھا، خوف مسلط اور جبر کی حکمرانی تھی، حبس اس نوع کا تھا کہ لوگ لُو کی دُعا مانگتے تھے۔ زبانیں اظہار کو ترستی تھیں، لفظ لب پر آتے تھے مگر آواز نہیں بن سکتے تھے۔ ایسے میں ظفر علی خاں نے سوچ کو زبان دی۔ اظہار کو بے ساختہ پن بخشا اور کشتِ جنوں کی آبیاری اپنے لہو سے کی۔ ہر خوف سے بے خوف ہونے کی صلاحیت اور حق کے

راستے میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو پائے استحقار سے ٹھکرا دینے کی جرات' اُن کے اندر صرف ایک ہی جذبے نے ابھاری تھی' اور وہ عشق رسول ﷺ کا جذبہ تھا' وہ خوب سمجھتے تھے کہ

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ طیبہ ﷺ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدار طیبہ و بطحا ﷺ تمہی تو ہو

پھر گرم ہے بازارِ رسول عربی ﷺ
اور جل کے ہوئی راکھ حریفوں کی دکاں دیکھ

تمہارا قافلہ کچھ لٹ چکا اور کچھ ہے لٹنے کو
رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر بادِ صبا کر دے

ظفر علی خاں جانتے تھے کہ اسی مسیحا کے پاس ہر دکھ کا علاج ہے' یہی ایک دیوار ہے جس کا سایہ ہر آبلہ پا کا خود انتظار کرتا ہے اور یہی وہ بارگاہ ہے جہاں پہنچ کر سرگرداں عقل کو منزل کا احساس نصیب ہوتا ہے۔ زندگی کی کوئی سی تلخی

ہو' وقت کی کوئی سی کروٹ ہو' اور سیاست کی کوئی سی سنگینی ہو' ہر پھر کر اُن کی ہر سوچ' حب رسول ﷺ ہی سے شروع ہوتی اور اُسی پر ختم ہوتی تھی۔ وہ اسی محور کے گرد گھومتے تھے۔ اسی جذبہ عالیہ سے بال و پر لے کر' اُن کا فکر انگڑائی لیتا' ان کا قلم لولوئے لالا ڈھالتا اور اُن کی زبان مہ و انجم بکھیرتی تھی۔ اور یوں لگتا تھا کہ ایک تختہ چمن کھلا ہوا ہے اور رنگا رنگ پھول شاخ گفتار سے ٹوٹتے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ فیض تھا اس ذات اقدس ﷺ سے محبت کا' جس کے حُسن سے سورج ضیا لیتا اور جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے ہیں۔

ہم بھلے ہیں یا برے ہیں' تیرے آخر ہیں غلام
ہم کو ہم چشموں میں اے آقا ﷺ نہ ہونے دے ذلیل

پلایا ہے بھر بھر کے ساقی نے مجھ کو
خدا کے خمستاں سے جامِ محمد ﷺ

اور اسی جذبہ حب رسول ﷺ نے اُن کے رخِ کردار کو فقر و غنا کے اس غازے سے نوازا تھا کہ جس کا حاصل غیرت' سرمستی اور وقار ہے۔ وہ اسی جذبے کے طفیل' اس دنیا میں معزز رہے جبکہ اخروی سرخروئی ایسی ہی گلرنگ زندگی کا ایک منطقی نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

مری مدح کرتی ہے ساری خدائی

ہوا ہوں میں جب سے ثنا خوانِ احمد ﷺ
ترانے مرے عرش پر گونجتے ہیں
میں ہوں عندلیب گلستان احمد ﷺ

.....

سردار دو جہاں ﷺ کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تا بہ ابد زندہ کر دیا

.....

مرا منہ لیا چوم روح الامیںؑ نے
لیا میں نے جس وقت نامِ محمد ﷺ

گویا توصیفِ رسالت مآب ﷺ اُن کی حیات مستعار کا مقصود حقیقی تھی اور باقی تحریریں اور تقریریں وقتی تقاضوں کا بدیہی ثمر تھیں۔

خدا کی حمد، پیغمبر ﷺ کی نعت، اسلام کے قصے
مرے مضموں ہیں جب سے شعر کہنے کا شعور آیا

.....

جب نبی ﷺ کی نعت میں مصروف ہوتا ہے قلم
کیسے کیسے خوشنما موتی پروتا ہے قلم

یہ اُن کے صاحب ایمان ہونے کی دلیل تھی کہ وہ عمر بھر، حق نگار اور حق

شعار رہے۔ اور اس حق شناسی کی پاداش میں وہ اکثر زنجیر و زنداں کی صعوبتوں تک بھی گئے۔ مگر کسی مقام پر بھی نہ ان کے پائے استقلال میں لغزش آئی اور نہ ان کے رخِ کردار کا غازہ کجلایا۔ اسے بھی تعلق خاطر کا فیض سمجھتا ہوں کہ مولانا ظفر علی خاں کی عظمت کا اعتراف وہ نابغہ بھی کرتے رہے جنہیں دیکھ کر خود عظمت کا معیار قائم کیا جاتا تھا۔ اعتراف عظمت کی ایک جھلک دیکھیے:

سرسید احمد خاں: ان میں ایک روشن مستقبل کے آثار دیکھ رہا ہوں۔

محسن الملک: اس نوجوان میں بلا کی تیزی ہے۔

شبلی نعمانی: ظفر علی خاں کا نام اور کام محو ہونے کی چیز نہیں۔

داغ دہلوی: پنجاب نے ظفر علی خاں اور اقبال پیدا کر کے اپنے ماضی کی تلافی کر دی ہے۔

علامہ اقبال: مولانا ظفر علی خاں کا قلم مصطفیٰ کمال کی تلوار ہے۔

خواجہ حسن نظامی: ظفر علی خاں کی اردو فارس کے راستہ سے یہاں پہنچتی ہے۔ قیامت کے دن اپنی پر اثر نظموں اور نعتوں کے سبب بخشے جائیں گے۔

سید سلیمان ندوی: اردو ادب نے تین کامل الفن استاذ پیدا کیا۔ محمد رفیع سودا، اکبر الہ آبادی اور ظفر علی خاں

ابوالکلام آزاد: وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ راہ و منزل سے بے نیاز

ہو کر چلتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر: مولانا ظفر علی خاں نے اردو ادب کو سینکڑوں ترکیبیں دی ہیں جو اُن کے بہار آفریں قلم کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔

شوکت علی: ظفر علی خاں نے جو قومی و ادبی معرکے سر کیے' اُن کا اعتراف ان کے دشمنوں کو بھی ہے۔

محمد علی جوہر: ظفر علی خاں صحافی سے زیادہ ادیب ہیں' اُن کے قلم میں جو تلخی ہے وہ سیاست کی ہے' جو چاشنی ہے وہ ادب کی دین ہے۔

غلام رسول مہر: مولانا کی متنوع شخصیت مدتوں ہنگامہ خیز رہی۔

تاجور نجیب آبادی: یہ قہرمان ادب و صحافت اپنی ہنگامہ خیز شخصیت کے اعتبار سے آج اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

رشید احمد صدیقی: مولانا کے طنز میں نعرہ رستا خیز ہے۔

مولانا صلاح الدین احمد: جب مستقبل کا کوئی انصاف پسند مورخ اس خطہ ارض میں فرنگ کے زوال کی داستان لکھے گا تو ظفر علی خاں کے نام کو اس داستاں کا عنوان بنائے گا۔

سید عبداللہ: مولانا اُن اکابرین ملت میں سے ہیں جو صدیوں کے وقفے سے عالم ہستی میں آتے ہیں۔

حمید نظامی: افسوس کہ اُن کی صحافت کے عین عالم شباب میں سیاست

مولانا کو صحافت سے چھین کر لے گئی۔ یہ صحافت کا ایک ایسا نقصان تھا جس کی آج تک تلافی نہیں ہو سکی۔

جوش ملیح آبادی: اُن کے کلام میں حجاز کی روح بولتی ہے۔

شورش کاشمیری: مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ میں نے مدت العمر ان کے خوان نگارش کی خوشہ چینی کی ہے۔

مرزا محمد منور: مولانا ظفر علی خاں کی جنگ بھی خدا اور رسول ﷺ کی خاطر تھی اور صلح بھی۔

ظفر علی خاں فطرت کی طرف سے بے پناہ شعری' ادبی اور فکری صلاحیتیں لے کر آئے تھے' مزاج سیمابی تھا۔ جب کہ اُن کا عہد بھی سراپا اضطراب تھا۔ حالات تیزی کے ساتھ اپنا رخ' اپنی صورت اور اپنی کیفیت بدلتے رہے اور ہر لحظہ بدلتی ہوئی صورت حالات کے ساتھ ساتھ ظفر علی خاں کی شاعری' صحافت اور خطابت بھی اضطراب و اضطرار کی کیفیت سے دوچار رہی ہے۔ اُسے ٹھہراؤ' سکون اور اطمینان کی وہ مثالی فضا نہ مل سکی جس کے لیے شعراء و ادباء آرزومند رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظفر علی خاں کی خداداد ادبی اور شعری صلاحیتیں' ہجو اور ہیجان کی نذر ہوتی رہیں۔ اور وہ کوئی ادبی نوعیت کا آفاقی شاہکار تخلیق نہ کر سکے۔ اُن کی شاعرانہ ثروت اُن ہنگامی موضوعات کو صحافتی ضرورتوں کے تحت نکھارتی رہی جن کی عمر چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

اس مادی دور کی مادی دوڑ میں کسے فرصت ہے کہ ظفر علی خاں کی ہنگامی نظموں کے شاعرانہ کمال اور عالمانہ جمال سے حظ اٹھا سکے۔ نسل نو کو ان کی سیاسی اور ہنگامی تخلیقات سے نہ کوئی دلچسپی ہے اور نہ ان کے نزدیک اُن کی کوئی قیمت۔ یہ پودا اپنے ماضی اور اپنی تاریخ دونوں سے بے نیاز ہو چکی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ظفر علی خان نے ایک عہد کی ذہنی آبیاری بھی کی اور سیاسی رہنمائی بھی۔ ایک دور کو راستہ بھی دکھایا' راستے کے پیچ وخم سے بھی آگاہ کیا اور منزل کی نشاندہی بھی کی۔ انہوں نے وقت کی لہروں کو تحریکوں کا رنگ و آہنگ دیا' ان تحریکوں کو چلایا بھی۔ مگر سوچ کی مضطربانہ کیفیات نے تحریک کو کسی منطقی انجام تک پہنچانے سے قبل ہی کوئی اور موضوع اور میدان چن لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ظفر علی خاں کو کہنے والوں نے بیسویں صدی کے ادب اردو کا المیہ کہا ہے۔ یا ایک ایسی عظمت' جو وقتی دھندلکوں میں کھو کے رہ گئی ۔۔۔۔ مگر یہ فطرت کی دین تھی کہ وہ ان پرشور ہنگاموں میں بھی وہ ذہنی یکسوئی' فکری ارتکاز اور قلبی ٹھہراؤ پیدا کر لیتے تھے جو شعر گوئی اور خاص طور پر نعت گوئی کے لیے ضروری ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کے الفاظ میں:

''بیسویں صدی کی شعری روایت میں تغیر و تبدل مواد کے ساتھ ساتھ ہیئت میں بھی ظاہر ہوا اور جملہ اصناف نظم ونثر عصر کی تقاضوں کو اپنے اندر جذب کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس حوالے سے جدید نظم کے مختلف رویے ہمارے

سامنے آئے' غزل نے چولا بدلا' مرثیے میں ندرتیں پیدا ہوئیں' قصیدے نے مختلف شکلوں میں اپنا اظہار کیا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کے مطابق بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز صنف سخن یعنی نعت نے اپنے خدوخال متعین کرنا شروع کر دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے جس قدر رنگا رنگ' متنوع ذائقے آپ کو اس صدی میں ملیں گے' شاید اس سے قبل نہ ملے ہوں۔ اسی طرح نعت کے اہم شعراء بھی اسی زمانے میں منفرد حیثیت کے حامل نظر آئیں گے' سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس زمانے میں مثنوی' قصیدے اور غزل نے نعتیہ موضوعات ومضامین کو اپنے مزاج میں داخل کیا۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس کا بنیادی جواب تو یہی ہے کہ اس زمانے میں نعت کی صنف دوسری اصناف کی ہم دوش رہی اور اُردو ادب میں ظاہر ہونے والی تمام فکری وفنی تبدیلیوں کو اس صنف نے قبول کیا اور نعت گو شعراء نے انہیں نہایت سلیقے سے استعمال کیا۔ نعت کی صنف کو با اعتبار بنانے والے شعراء میں ایک اہم شاعر ظفر علی خاں بھی ہیں''۔

مولانا کی سیاسی شاعری اپنے اندر خطیبانہ رنگ اور مبارزانہ آہنگ لیے ہوئے ہے۔ ایسی شاعری کا طنزیہ لب ولہجہ عموماً درشت' کاٹ دار اور مبالغہ آمیز ہوا کرتا ہے۔ مگر مولانا ظفر علی خاں کا قلم جب نعت کہتا ہے تو تراکیب کی ندرت اور اُسلوب کا بانکپن تو حسب معمول اپنے کمال کو چھوتا نظر آتا ہے۔ مگر اُن کے

طناز قلم کی کاٹ، عقیدت اور شیفتگی کے سانچے میں ڈھل کر شبنم کے مانند لطیف، برگِ گل کی طرح گداز اور موجِ صبا کی طرح سبک ہو جاتی ہے۔ ہر لفظ محبت و عقیدت کی انگشتری کا نگینہ بن کر جگمگاتا اور ہر خیال جذب و شوق کی فضاؤں میں انگڑائی لیتا محسوس ہوتا ہے۔ مولانا راسخ العقیدہ تھے۔ مقام رسالت ﷺ کی رفعتوں، عظمتوں اور نزاکتوں کا انہیں کما حقہ اندازہ تھا۔ اس لیے انہوں نے کوشش کی کہ کہیں بھی حکایت، شکایت نہ بنے۔ عقیدت کی بینائی بھی قائم رہے اور آبگینے کی نزاکت کو ٹھیس بھی نہ لگے کہ جب عقیدت، بصارت کھو دیتی ہے تو بدعت کی گمرہی اُسے وجہِ توہینِ رسالت بنا دیتی ہے۔ گمرہی کی پہچان یہ ہے کہ وہ بے ذوق بھی ہوا کرتی ہے اور کم نظر بھی۔ جب کہ توصیف رسالت ﷺ کے لیے قلم قلم، حرف حرف اور لفظ لفظ آگہی افروز احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں تو سو بار سوچ کر، ایک بار قلم اٹھتا ہے۔ اور پھر بھی توصیف کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ظفر علی خاں کی نعت مبالغے سے دامن بچاتی اور واقعیت کا دامن تھام کر آگے بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نعتیں جدید شعراء کے لیے اعتدال کے سانچے میں ڈھلا ہوا ایک خوبصورت معیار ہیں۔ اُن کی ذاتی زندگی پاکیزہ، بے داغ اور بے لوث تھی۔ کوئی سی انگلی بھی اُن کی کسی بے اعتدالی کی طرف اشارہ نہیں کر پاتی۔ اُن کی فکر بھی راست رہی اور عمل بھی واضح۔ ایسے بے غبار کردار کا حامل انسان جب انسان کامل ﷺ کی مدحت کے لیے قلم اٹھائے گا تو اس کے بہکنے اور بھٹکنے

کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حق یہ ہے کہ مولانا کی دیگر منظومات اپنی تمام تر شعری لطافتوں اور ادبی خوبیوں کے باوجود، نسلِ نو کے لیے گلدستہ طاقِ نسیاں ہو چکی ہیں۔ مگر ان کی نعتیں آج بھی فردوسِ گوش اور نشاطِ روح بنی ہوئی ہیں۔۔۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی ﷺ تو ہو

اس زمین میں کتنی ہی نعتیں کہی گئی ہیں کہ اگر صرف انہیں یکجا کیا جائے تو ایک دفتر مرتب ہو سکتا ہے۔ مگر کوئی ایک نعت بھی، اس نعت کے تاثر و کیف کو نہیں چھو سکی۔ اس نعت کو تغزل کی خوبی نے بے پناہ تاثر دیا ہے۔ تغزل، غزل کو نہیں بلکہ اُس کیف کو کہتے ہیں جو شعر میں دلآویزی کی صلاحیت ابھارتا اور اس میں تیرِ نیم کش کی کسک اور خلش پیدا کرتا ہے۔ نظم و نثر کو بھی تغزل ہی رعنائی دیتا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کی کم و بیش تمام نعتیں، غزل کی ہیئت میں ہیں، اور تغزل کی کیف سامانیوں سے بہرہ ور۔ سید عبداللہ، اسی نعت کے متغزلانہ سحر کو محسوس کرتے ہوئے مولانا کی نعت گوئی کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

''ظفر علی خاں کی نعت ایک ایسے قلب کی آواز ہے جو یقیناً محبت سے آشنا ہے۔ نعت تو خیر محبت ہی کا ایک رنگ ہے۔ اُن کی عام شاعری کے لہجے اور اظہارات سے بھی اُن کے درد پسند دل کے راز ظاہر ہو رہے ہیں۔ نعت کا موضوع بڑا نازک موضوع ہے۔ مگر بصد استغفار و توبہ، میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ کوئی وہ شخص عشقِ رسول ﷺ کی شاعری نہیں کر سکتا جو محبت کے

لرب و درد اور انہماک اور مرکزیت توجہ سے باخبر نہ ہو۔۔۔۔۔ خیر جو کچھ بھی ہو' ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری بیک وقت محبت کی شاعری بھی ہے اور عقیدت کی شاعری بھی۔ یہ تو ظفر علی خاں کا پاس ناموسِ عشق ہے کہ انہوں نے عشق رسول ﷺ کا دم بھرنے کے بعد اپنی دوسری محبتوں کو تذکرے کے لائق خیال نہیں کیا۔ ورنہ اُن کی شاعری محبت کے ہر پاکیزہ جذبے کی ترجمان بن سکتی تھی اور میں ذاتی طور پر اُن کی نعت ''دل جس سے زندہ ہے۔۔۔۔۔'' کو بھی غزل ہی کہوں گا' بشرطیکہ احباب غزل کو صرف ''گفتگوئے محبت بازناں'' تک محدود نہ کریں''۔

سچ یہ ہے کہ ظفر علی خاں غزل کہتے تو اپنے دور کے بہت سے میر تقیوں کو پیچھے چھوڑ جاتے' انہوں نے سیاسی نظمیں کہیں کہ وہ اُن کی صحافتی زندگی کی ایک وقتی ضرورت تھیں۔ انہوں نے مناظر فطرت کو بھی موضوع شعر بنایا کہ فطرت کی دلآویزیوں سے ہر آنکھ عبرت وموعظت کے سامان لیا کرتی ہے اور قرآن مجید تو بار بار چلتی ہواؤں' اُمنڈتے بادلوں' بہتے دریاؤں' تیرتی کشتیوں' رواں دواں چشموں' پرہیبت چٹانوں' جلال آفرین پہاڑوں' ابھرتے' ڈوبتے اور جگمگاتے ستاروں' سانس لیتی ہوئی صبحوں' اور شفق کے پیرہن میں مسکراتی ہوئی شاموں پر غور کرنے اور اُن سے قلب ونظر کو روشن تر رکھنے کا سبق دیتا ہے۔ یا پھر مولانا نے قومی اور ملی نظمیں کہیں۔ فتنہ مرزائیت کو بھی للکارا' یہ للکار بھی دراصل حب رسول ﷺ کا ایک خوبصورت ثمر ہے کہ ختم نبوت ایک بنیادی ستون ہے۔ اگر یہ لرزتا

ہے تو دین کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اگر شان رسالت ﷺ پر شب خون مانے والوں کو للکارا تو یہ اُن کا ایک دینی فریضہ تھا جسے انہوں نے جرات اور استقامت کے ساتھ ادا کیا۔ اسی سرفروشانہ شاعری کا نتیجہ تھا کہ کچھ ہی سال بعد یہ فتنہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا۔ ختم نبوت کے تحفظ کی تاریخ مولانا ظفر علی خاں کے نام اور کام کا اعتراف کیے بغیر نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ مکمل ہو سکتی ہے۔ ایک مرزائیت ہی نہیں بلکہ جس نے بھی حضور ﷺ کے خلاف کچھ کہا' ظفر علی خاں کے قلم نے اُس ناپاک گریبان سے الجھنا اپنا فرض سمجھا۔ انہوں نے عصری مسائل کا تذکرہ بھی نعت میں کیا اور نعت کو ناموس رسالت کے تحفظ کا بہترین ذریعہ بھی بنایا۔

جو مسلم ہے تو جاں ناموس ملت پر فدا کر دے
خدا کا فرض اور اس کے نبی ﷺ کا قرض ادا کر دے

ان نظموں میں سارقینِ نبوت کے بارے میں مولانا کے قلم کا طنزیہ لب ولہجہ' تلواروں سے کہیں زیادہ بے باک' شدید اور تیز ہے۔ میں مولانا کی ان نظموں کو بھی نعت ہی کہوں گا کہ یہ ناموس رسالت مآب ﷺ کے تحفظ کی خاطر کہی گئی ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مخالفین کے گستاخانہ اور ہجویہ اشعار کا جواب دینے کے لیے صحابہ کرامؓ کو ترغیب دی تھی۔ حضرت حسانؓ بن ثابت کی شاعرانہ صلاحیتوں کا رُخ بھی اسی ترغیب نے موڑا تھا' اور باقاعدہ نعت گوئی کا

آغاز بھی اسی تشویق و ترغیب کا دلآویز نتیجہ ہے۔ مولانا کی نعت گوئی نے یہ ثابت کر دیا کہ زلف و عارض کی ہر مبالغہ آمیز مجازی داستان، رُخِ رسالت ﷺ کے سامنے ہیچ ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ زیبا، جمالِ الٰہی کا آئینہ تھا۔ اور آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ، کمالِ رحمتِ باری کی انتہا۔ جس آنکھ نے اس چہرے کو دیکھ لیا اور اُس کردار کو پا لیا، اس کی نگاہ میں کوئی اور جچا ہی نہیں کہ آفتاب مل جائے تو ہر مہتاب کا بے نور ہو جانا، لازم ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظفر علی خاں نے غزل کہنے کی جملہ صلاحیتوں کے باوجود ایک بھی رسمی غزل نہیں کہی۔۔۔ نعت کی نزاکت، صداقت اور سعادتِ قلم کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ نعت کہنے کے بعد کسی مجازی محبوب کی تعریف میں بھی گل کترنے کی کوشش کرے کہ محبت اپنی جگہ ہے مگر غیرت اس سے کہیں فزوں تر ہے۔ بقول سعدی؂

هر شاهدے که در نظر آمد بدلبری
در دل نیافت راه که آنجا مکانِ تست

دل کے کعبے میں، کعبے کا کعبہ آجائے تو وہاں بتوں کا گزر کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر یہ پاکیزگی، دل کے خلوت خانے کی تقدیر نہیں بنتی تو قلم کو نعت کہنے سے روک لینا چاہیے۔ اور جب تک نیشِ عشق، گوارا ہو کر وجہ کیف نہ بن جائے، خود بھی رک جانا چاہیے، کیونکہ حق کے ساتھ مجاز کو لے کر چلنا، منافقانہ نوعیت کا شعری تلعب ہے۔ نعت غیر تمنّدانہ اخلاص کی طلبگار ہے۔ اس کے لیے دل کو

ماسوا کی ہر محبت سے پاک ہونا چاہیے۔ اُسے اول و آخر خالی ہونا چاہیے۔ تبھی وہ کسی کا خلوت خانہ بنے گا۔ ظفر علی خاں کی نعت گوئی ان کے کمال ایمان کی دلیل ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ ہی کی محبت کو دل کی دولت، قلم کی متاع اور اظہار کا سرمایہ بنایا اور اس نعمت سے ٹکرانے والی ہر دل بستگی کو حقارت کے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہترین شعری صلاحیتوں کے باوجود انہوں نے روایتی غزل نہیں کہی بلکہ غزل کو فی الواقع تقدس کی معراج عطا کی۔ تلاش کا جذبہ دونوں جگہ ہے، مگر مقصود و مطلوب کے فرق نے، چیونٹی کو خاکِ رہ میں بھٹکنے پر اور شاہین کو آسمان کی رفعتوں کو بھی خاطر میں نہ لانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ مقصد کی عظمت، سعی و کاوش کو جمال کا کمال عطا کیا کرتی ہے۔ آغا شورش کاشمیری کے الفاظ میں:

"حضور سرورِ کائنات ﷺ سے ظفر علی خاں کو جو عشق تھا، وہ اُن کی شاعری کی جان ہے۔ اُن کی صنفِ شاعری، عشقِ رسول ﷺ سے بھری پڑی ہے۔ جو عقیدت انہیں اس نام اور اس ذات ﷺ سے رہی، اُن کی نعتیں اسی کا والہانہ اظہار ہیں۔ ایسی بے داغ نعتیں شاذ ہی ملتی ہیں۔ خدائے لایزال نے جو کچھ حضور ﷺ کے بارے میں کہا، قرآن و حدیث کے اوراق سیرتِ طیبہ کا جو نقش پیش کرتے ہیں، مولانا کی نعتیں ہو بہو اس کی تصویر ہیں"۔

پروفیسر غلام حسین ذوالفقار کہتے ہیں:

"ظفر علی خاں کی تخلیقی صلاحیتیں اُن کی نعتیہ شاعری میں اپنی ساری جمالی اور جلالی خصوصیات کے ساتھ بروئے کار آتی ہیں۔ اُن کی شاعری کا یہ حصہ ہنگاموں اور اجتماعوں سے الگ اُن کے خلوت خانہ دل کا ترجمان ہے۔ یہاں جذبوں اور تخیل کے سہارے وہ اچھوتی اور لطیف فضاؤں میں سرگرمِ سیر رہتے ہیں۔ اظہار و بیان میں اُردو فارسی کی خوش آہنگ ترکیبیں، جذبے اور احساس کے مطابق سبک، شیریں اور پُرشکوہ الفاظ اپنے اپنے موقعوں پر آتے ہیں۔ اُن کی نعتیہ شاعری معنی بلند اور الفاظ خوش کے امتزاج سے صورت پذیر ہوتی ہے"۔

غزل کی ہیئت میں کہی جانے والی، مولانا کی طویل نعتیہ منظومات اس قدر مرصع، رواں اور شگفتہ ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے جذب و شوق اور فکر و نظر کا ایک پاکیزہ سمندر ہے جو بے روک ٹوک بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اُن کا قلم نہ سنگلاخ زمین کی پروا کرتا ہے اور نہ اُسلوب و ادا کے اعتبار سے کہیں عجز اور ژولیدگی کا شکار ہوتا ہے۔ (وہ فنی اعتبار سے ہر مقام پر کانٹوں اور کنکروں کو گل و گلزار بناتا چلا جاتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کا سیاسی، دینی اور معاشی انحطاط، مولانا کے دردمند قلم کی نوک پر لو دیتا محسوس ہوتا ہے۔ وہ حبِ رسول ﷺ کے والہانہ جذبے میں ہر دکھ کا علاج پاتے ہیں۔ دردمندی اور دلسوزی کا یہی وہ شاعرانہ پیرایہ ہے جس نے حالی کے بعد بطور ایک مقصدی نعت گو مولانا کے مقام کو ہر نعت گو سے اونچا کر دیا ہے۔ حالی، مسلمانوں کے حالِ زار پر روتے، ہچکیاں لیتے اور آہیں بھرتے

ہیں۔ محسن کاکوروی، ہندی لے میں حجازی گیت گاتے چلے جاتے ہیں۔ جس طرح قدیم عرب شاعر، نعتیہ عقائد کی تشبیب میں مقامی تاریخی اور رومانی آثار کو بنیاد بنا کر بات شروع کرتے اور اظہارِ مدعا کے لیے کوئی نہ کوئی تقریب چاہتے تھے، اسی طرح محسن کاکوروی کے نعتیہ قصائد کی تشبیب بھی اپنے اندر ایسا مقامی رنگ لیے ہوئے ہے جو صنائع بدائع کے شاعرانہ حسن سے آراستہ ہے۔ شہیدی کی نعتیہ نظمیں اُن کے سوزِ دل اور ندرتِ اظہار کا ایک دلآویز شاہکار ہیں۔ اقبال نے باقاعدہ نعت نہیں کہی۔ اُن کا قلم چلتے چلتے، نعتیہ ستارے ابھارتا چلا جاتا ہے۔ اور اگر سیاق و سباق میں جگمگاتے ہوئے ان نعتیہ آویزوں کو الگ کیا جائے تو اُن کے کلام کا بیشتر حصہ نعت ہی سے پھوٹنے، پھلنے اور پھولنے والی کیفیات پر مشتمل نظر آئے گا۔ اسی تناظر میں، ظفر علی خاں اس نوع سے منفرد ہیں کہ انہوں نے اگر بطور صنفِ سخن نعت کو اظہار کی رعنائی دی تو دوسری طرف ہنگامی اور سیاسی نظموں کے انبار بھی لگائے۔ وہ طبیعت کی موزونیت اور بدیہہ گوئی کی منہ زور شاعرانہ صلاحیتوں سے بے بس ہو کر، حقے کے ہر کش کو شعر بناتے رہے۔ اُن کی نگاہ کا ہر زاویہ شعر ہی کا کوئی نہ کوئی دل آویز رخ ہوتا تھا۔ اُن کے قلم کی ہر جنبش کسی نہ کسی شاعرانہ حسن ہی کی آئینہ دار ہوتی تھی، اُن کا ہر جملہ ادب لطیف کے سانچے میں ڈھل کر سحر حلال ہو جایا کرتا تھا اور اُن کے خامہ عنبر شامہ کی ہلکی سی اُڑان، آج کی نظم معریٰ، نظم آزاد اور نثری نظم سے کہیں دل آویز اور دل

نشین ہوا کرتی تھی۔ حق یہ ہے کہ جذبے کی حدت' اور خیال کی رفعت نے اُن کی نثر کو بھی تغزل کا جمالیاتی کیف دے دیا تھا۔ وہ صحافت کے شہسوار' خطابت کے مردِ میدان' جذب وجنوں کے پاسدار اور دریدہ دامنوں کی آبرو تھے۔ اُن کی شاعری اپنے اندر حدی کے سوز سے زیادہ رجز کی للکار لیے ہوئی تھی۔ وہ سیاست کے میدان میں ایک سیل تندرو تھے۔ مگر نعت کی دنیا میں' یہی سیل بے پناہ 'سمٹ کر' جوئے نغمہ خواں بن جاتا تھا۔ اُن کی نعت ادب اور محبت کے قرینوں سے ہم آہنگ ہو کر' اعجاز وایجاز کی بلاغتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ اس اعتبار سے معتبر ہیں کہ انہوں نے اپنے دور کی دینی بے مائیگی' سیاسی کج روی اور فکری ژولیدگی کو نعت کے ذریعے سمجھانے اور سنوارنے کی شعوری کوشش کی۔ انہوں نے حضور ﷺ ہی کے حوالے سے وقت کی ہر گمرہی کو ذوقِ سلیم عطا کرنے کی مومنانہ اور مجاہدانہ سعی کی۔ آج ہر قلم نعت کہنے کی تمنا کر رہا ہے بلکہ بعض قلم تو مجبوراً نعت گوئی کی دوڑ میں شریک ہونے کی کوشش میں (شوق نہیں) اپنی چال بھی بھول رہے ہیں۔ گو ماضی قریب میں نعت نہ کوئی مستقل صنف سخن تھی اور نہ ''دانشور نوعیت کے شاعر'' نعت گوئی اپناتے تھے بلکہ وہ نعت گوئی کو رجعت قہقری ہی کہا کرتے تھے جبکہ ماضی قریب میں ظفر علی خاں کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے نعت کو ایک باقاعدہ صنف سخن کی حیثیت بھی دی اور غم دوراں کو غم جاناں میں ضم کرنے کی حسین روایت کا آغاز بھی کیا۔ جناب مختار مسعود کے الفاظ میں:

''ظفر خاں کی شاعری کا دوسرا رُخ بھی ہے۔ پہاڑوں میں بہنے والی سرکش ندی جب میدان میں داخل ہوتی ہے تو ایک پاٹ دار اور نرم رو دریا بن جاتی ہے۔ اس دریا سے کھیت سیراب اور کشت دل ہری ہوتی ہے۔ ظفر علی خاں کی شاعری کا یہ رُخ نعت کے میدان میں نظر آتا ہے۔ ظفر علی خاں مجموعہ اضداد تھے اور اُن کی نعتیہ شاعری اُن کی سیاسی شاعری کی ضد ہے۔ وہاں ہجو' طعن اور پھبتی ہے' یہاں جذب وکیف اور مستی ہے۔ ادھر دشمن اُن سے پناہ مانگتا ہے اور ادھر یہ دامن دوست میں پناہ لیتے ہیں۔ ایک طرف آورد کا زور شور ہے اور دوسری جانب بس آمد ہی آمد۔ نعت گوئی میں ظفر علی خاں اس درجہ کمال تک پہنچے جو ان سے بہتر شاعروں کو نصیب نہ ہوا۔ دراصل نعت کے لیے کمال سخنوری سے زیادہ کمال جنوں کی ضرورت ہے' اور ظفر علی خاں کے پاس وارفتگی کا بڑا وافر سرمایہ تھا۔۔۔ ظفر علی خاں عشقِ رسول ﷺ میں اُس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں عاشق رسول ﷺ کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو

مولانا کی نعت سرائی میں جنوں کی پرشکوہ کیف سامانیاں منتہائے کمال پر پہنچ کر قاری کے دل کے دروازوں پر دستک دیتی ہیں۔ گویا یہ نعتیں حسنِ کلام اور حسنِ ارادت کی ایک ایسی کہکشاں ہیں کہ اہل نظر آج بھی ان سے ذوق وشوق سمیٹ رہے ہیں اور سمیٹتے رہیں گے کہ ذکر رسول ﷺ ہی سے ہر دور کسب ضیا

کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ بقول شاعر۔

کس طرح ذروں کو ملتی ہے ضیا
تابشِ خورشید سے ٹکرا کے دیکھ

حقیقت یہ ہے کہ دلوں کو کیف‘ ذہنوں کو جلا‘ شوق کو نوا‘ غنچوں کو چٹک‘ دھندلکوں کو اجالا اور ذروں کو درخشندگی‘ اسی تابشِ خورشید سے ملتی ہے جبکہ یہ طے ہے کہ ہر دور کی ہر صداقت آفرین طلب کو اسی بارگاہ صدق اظہار سے رجوع کرنا ہوگا۔ اقبال نے کہا تھا۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

قاری محمد طیب کے الفاظ میں ”آفتابِ نبوت بشری ازل سے چمکا اور کائناتی ابد تک چمکتا رہے گا اور اس دوران میں نہ اُس نور کا کسی وقت انقطاع ہوا اور نہ ہوگا۔ کہیں بلاواسطہ‘ کہیں بالواسطہ‘ روشنی اُسی کی کام کرتی رہی اور کرتی رہے گی“۔

اور نورِ مصطفیٰ ﷺ کی یہی ہمہ گیریت ہے جس نے ظفر علی خاں کی نعتوں کو آفاقی تاب و تب عطا کردی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ‘ اُن

میں کہنگی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر لحظہ ایک نئی تازگی محسوس ہوتی ہے اور ہر لمحہ نئی شان اور نئی آن نظر آتی ہے۔ مولانا حنیف ندوی کے الفاظ میں:

”مدحِ رسول ﷺ مولانا کے جذبات و احساس کا نہایت ہی نازک گوشہ ہے۔ جب توجہ اس طرف مبذول ہوتی ہے تو پھر نہ پوچھیے کہ عقیدت و نیاز مندی کیونکر سمٹ کر زندہ جاوید نظم کی صورت اختیار کرلیتی ہے“۔

آج کی نعت‘ خود کو ماضی کی نعت کے مقابلے میں اس لیے منفرد سمجھتی ہے کہ اس میں غم دوراں اور غم جاناں کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے۔ آج کا نعت گو ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتا ہے۔ وہ صرف عارض و رخسار کی دلربا کیفیات کا اظہار نہیں کرتا بلکہ ذکرِ رسول ﷺ سے وہ توانائی اور وہ استقامت حاصل کرتا ہے جو حق کے لیے سر کٹانے‘ ہر دور کی ہر کربلا میں سرفروشانہ انداز میں در آنے اور بازارِ وفا میں سب کچھ لٹا کر‘ متاعِ دل و جاں خریدنے کو حیاتِ مستعار کی آرزوئے وحید سمجھتا ہے۔ اور عمل کی دنیا میں اپنے لفظوں کی آبرو کو قائم رکھتا ہے۔ خود ظفر علی خاں کی اپنی زندگی جرأت اظہار اور بلندی کردار کی ایک ناقابل رشک مثال ہے۔ حق کے لیے ہر مصیبت کو سینے سے لگا لینا اور زنجیر و زنداں کی سنگینیوں کو بھی خندہ روئی سے برداشت کرلینا‘ صرف اُسی کا نشان امتیاز ہو سکتا ہے جسے خدا کے خوف نے ہر خوف سے بے خوف کر دیا ہو۔ ظفر علی خاں کے یہ خوبصورت شعر اُن کی سرفروشی کا ثبوت ہیں۔

یہ ہے پہچان خاصان خدا کی ہر زمانے میں
کہ خوش ہو کر خدا ان کو گرفتار بلا کر دے

پیمبر ﷺ کی شفاعت پر مری اس عرض کا حق ہے
کہ آقا ﷺ تیری خاطر میں نے چکی جیل میں پیسی

جب انسان اس یقین کو پالیتا ہے کہ ہر آنے والی بلا اُسے رضائے محبوب کے قریب تر لے جا رہی ہے تو پھر موت، زندگی کی تمہید بن جاتی ہے اور یوں رہ محبوب میں لی جانے والی ہر سانس، عبادت کا حسن، اُٹھنے والا ہر قدم استقامت کی تاریخ اور بہنے والے لہو کی ہر بوند، شہادت کی نوید ہو جاتی ہے۔ ظفر علی خاں نے اس باب میں مومنانہ استقامت سیرت رسول ﷺ سے حاصل کی۔۔۔ اُس وجود احسن واکمل (ﷺ) کے روز وشب سے، جس نے ہماری رہنمائی کے لیے، حق کی خاطر، مکہ کی گلیوں میں توہین واستہزا کو برداشت کیا۔ طائف کی وادیوں میں خود کو لہولہان کرالیا، طریق ہجرت میں غار ثور کو اس لیے شرف میزبانی بخشا کہ اگر اُمت کے افراد پر ایسا وقت آ جائے تو اپنی حفاظت ضروری سمجھی جائے۔ ورنہ پہاڑ باہم مل کر ''کافر وادیوں'' کو ملیا میٹ کر سکتے تھے، ہجرت کے لیے نرغہ کفار سے صاف نکل آنے والی شخصیت کی متعاقب ہر آنکھ اندھا ہو سکتی تھی، ہر گھوڑا ریت میں دھنس کر اپنے ہر سوار کو منہ کے بل گرا سکتا تھا۔

مگر سیرت رسول ﷺ کے یہ تمام اوراق، ہماری رہنمائی کے لیے تھے۔ بطور ایک انسان، ان کا ہر عمل، ہماری زندگی کی ظلمتوں کو اجالنے کے لیے تھا۔ طائف کے بازار سے لے کر کربلا کے ریگزار تک، حضور ﷺ کے نقوش پا اس لیے لَو دے رہے ہیں کہ امت قیامت تک بہکنے اور بھٹکنے نہ پائے اور باطل کے مقابلے میں استقامت اس کا شعار رہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے نعت میں فضائل و اوصاف رسالت ﷺ کو ہی بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اسوہ حسنہ کو زندگی کی تعمیر وتنویر کے لیے ایک بہترین نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے الفاظ میں:

''جہاں مولانا کا نعتیہ کلام ادبی خوبیوں سے مالا مال ہے وہاں اس کی عملی اور عوامی افادیت بھی ظاہر ہے۔ اس قسم کی شاعری نے ملک کے طول وعرض میں بالکل مختلف رنگ جمایا اور زندگی میں ایک ایسی حرکت پیدا کی جس نے فکر و نظر کے رجحانات میں ایک تعمیری انقلاب برپا کیا۔ اب لوگ حضور پرنور ﷺ کی زندگی کو زندگی سمجھ کر دیکھنے لگے۔ عالم قدس کی رونق نہیں بلکہ عالم امکان کا حاصل، زندگی کا مدعا اور محفل ہستی کی جان جاں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کا اصلاحی اور مقصدی رنگ فقط حب رسول ﷺ کی سرمستی کا اظہار نہیں۔ یوں کلام میں جذب، کیف ومستی اور شوق کی شدت کا یہ عالم ہے کہ گل محمدی کا یہ فدائی اس گلستان کے کانٹوں سے بھی پیمان محبت باندھ کر انتہائی

جذبہ سرفروشی سے سرشار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مقصدی نظر رکھنے کی بنا پر یہ جذبہ بے مقصد نہیں ہے۔ وہ جمالِ محمدی ﷺ کا فریفتہ بن کر اسوہ محمدی ﷺ کی تجلیوں کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ وہ صفات محمدی ﷺ میں زندگی کی تعمیر کے سامان کا متلاشی ہے۔ اس کے نزدیک محمد (ﷺ) کا نام ہر عقدہ کشائی کے لیے اسم اعظم کا حکم رکھتا ہے"۔

مولانا کا یہ کہنا درست ہے کہ جب سے انہیں شعور شعر گوئی نصیب ہوا ہے، حمد ونعت اور تاریخ اسلام کے درخشندہ واقعات ان کے محبوب موضوع ہیں۔ انہوں نے سیاسی اور ہنگامی موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر ان کے طبعی رجحان کو جہاں اور جب موقع ملا، حمد ونعت کا کوئی نہ کوئی پہلو نکل ہی آیا۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو علامہ اقبالؒ کے ایک کبوتر کو (علامہ کو اچھی نسل کے کبوتر رکھنے اور پالنے کا شوق تھا) بلی نے کھالیا۔ علامہ کی مغموم طبیعت کو بہلانے کے لیے مولانا نے ۲۲ نومبر ۱۹۱۷ کو یہ نظم لکھ کر علامہ کو بھیجی۔ دیکھیے، موضوع سراسر وقتی ہے مگر مولانا کی طبع رسا نے حمد ونعت کے خوبصورت امتزاج سے اسے کیسے آفاقیت عطا کی ہے۔

رحمت ہو تیری جان پر اے مرغ نامہ بر
آیا تھا اڑ کے زروہ بام حرم سے تو

انداز جبرئیل تھا تیری اڑان میں
کرتا نہ کیوں حدوث کو پیدا قِدم سے تو

زمزم میں تر ہوئی تری منقار نغمہ ریز
کرتا رہا عرب کو نمایاں عجم سے تو

جاں کو بسا دیا تھا شمیم حجاز میں
لایا تھا تار توڑ کے زلف صنم سے تو

ہم کو دیا پیام الف۔لام۔میم کا
ناآشنا نہ تھا رہ و رسم الم سے تو

نفرت ہی آشیانہ ہستی سے تھی تو کیوں؟
آیا اتر کے طارم کاخ عدم سے تو

تجھ پر ابوہریرہؓ بھی قربان ہوں کہ تھا
وابستگان دامن شاہ امم ﷺ سے تو

شاید انھی کی راہ میں تو ہو گیا نثار
گر بچ سکا نہ گربہ کی مشق ستم سے تو

مولانا شملے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک دوست مولانا غلام محمد ندوی کے عقد ثالث کا دعوت نامہ ملتا ہے تو بے ساختہ اس دعوت نامے کی پشت پر ارتجالاً نعتیہ انداز میں یوں تبریک وتہنیت لکھ جاتے ہیں۔

زمانہ میں چمکا ہے نام محمد ﷺ
ہوئی روکش صبح، شام محمد ﷺ

نہ پہنچے وہاں جبرئیل امیںؑ بھی
بلند اس قدر ہے مقام محمد ﷺ

مرا منہ لیا چوم روح الامیںؑ نے
لیا میں نے جس وقت نام محمد ﷺ

پلایا ہے بھر بھر کے ساقی نے مجھ کو
خدا کے خمستاں سے جام محمد ﷺ

فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم
بقائے خدا و دوام محمد ﷺ

یہ مجلس جہاں شور ہے وانکحوا کا
ہمیں دے رہی ہے پیام محمد ﷺ

جواں دل ہیں، اس واسطے کر رہے ہیں
بڑھاپے میں شادی غلام محمد

ہے مثنیٰ سے آئی ثلاثہ کی نوبت
کہ ان کو یہ ہے اذن عام محمد ﷺ

۱۹۳۳ میں مولانا برما جاتے ہیں۔ میمیو نامی شہر میں کچھ قیام کے بعد بوقت رخصت، احباب کے اصرار پر فی البدیہ یہ کہتے ہیں۔

مجھ سے کہ آپ کا ہوں میں ادنیٰ تریں غلام

سن لے پیام خواجہ کونین ﷺ، میمیو

خمخانہ الست ابھی تک ہے جوش میں
پینی ہے گر شراب اسی خمخانہ سے پیو

اسلام ہی وہ رستہ ہے سیدھا کہیں جسے
اس راہ میں مرو اور اسی راہ میں جیو

ہے تار تار ملت بیضا کا پیرہن
اس پیرہن کو سوزنِ ایثار سے سیو

مردوں ہی کے لیے نہیں علم و عمل کی قید
تم پر بھی فرض ہے یہ برابر کا بیبیو

اگر کوئی شعر لوگوں میں اس قدر مقبول ہو جائے کہ زبان زد عام ہو کر کم و بیش ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لے تو اس کی وجہ طرفگی خیال کے ساتھ ساتھ شگفتگی بیان بھی ہوتی ہے۔ مگر جب نعت کے کسی شعر کو قبول عام کا شرف مل جائے تو سمجھیے کہ گداز فکر اور رنگینی ادا کے ساتھ ساتھ وہ شعر بارگاہ ناز میں باریابی پا چکا ہے۔ مولانا کی وہ نعت جس کی ردیف ”تمہی تو ہو“ ہے۔ اسی نوع کی مقبول نعت ہے۔ اسی طرح وہ نعت جس کا پہلا شعر ہے ”وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں“ اپنی اولین اشاعت (یہ نعت پہلی بار پنجاب ریویو (اگست ۱۹۱۰) اور نظام المشائخ میں چھپی تھی) سے لے کر اب تک، قارئین میں کیف و

سرور کی ایک دنیا بانٹتی چلی جا رہی ہے۔ اِسی نعت کے بارے میں مولانا صلاح الدین احمد نے لکھا تھا کہ ''آج بھی اس کے رقص آور مصرعے برگہائے گل تر کی مانند معنبر و معطر ہیں۔ اور پروفیسر غلام حسین ذوالفقار کے الفاظ میں ''اس نعت کی بدولت اُردو زبان کو بھی حیاتِ جاوداں مل گئی ہے''۔ حق یہ ہے کہ حالی نے دھیمے اور پرتاثیر لہجے میں غمِ دوراں کو رسولِ پاک ﷺ کے حضور میں پیش کیا۔ ظفر علی خاں نے خطابت کے پُرشکوہ لہجے اور اسلوب و ادا کے ادیبانہ رنگ کے ساتھ' حالی ہی کی روایت کو آگے بڑھایا اور یہی روایت دورِ حاضر کی نعت گوئی کے لیے بہترین اساس ثابت ہوئی۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کا درج ذیل اقتباس احقر کے اسی خیال کا موید ہے:

''۱۸۵۷ کے بعد تمام ادب کو مقصدیت اور افادیت کی ترازو میں تولا جانے لگا اور ادب کو فائدہ مند اور مقصدی بنانے کا رُجحان پیدا ہوا۔ نعت گوئی بھی اس ہنگامے کی زد میں آئی اور اس صنف کو بھی ذہنی اور فکری قبلہ درست کرنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح نعت میں بھی ایک مقصدی رو سرایت کر گئی۔ جس شخص نے سب سے پہلے اس صنف میں باطنی اور خارجی دونوں حوالوں سے تبدیلیاں کیں' وہ الطاف حسین حالی تھے۔ حالی نے نعتیہ اشعار کو سماج کی تبدیلی کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔ انہوں نے اُمتِ مسلمہ کے تمام مسائل کا حل اتباعِ رسول ﷺ میں دریافت کیا اور نعت نگاری کو مسلمانوں کے

اعمال درست کرنے کا وسیلہ قرار دیا۔ اس حوالے سے ان کی ''مسدس مدوجزر اسلام'' کی مثال ہی کافی ہے۔ اقبال نے حالی کے اس بنیادی نکتے کو سمجھ کر اس کی مزید توضیح کی۔ یہی سبب ہے کہ اقبال کے ہاں خودی کی منزلوں سے۔ لے کر مردِ کامل بننے تک تمام تر معاملاتِ اتباعِ نبوی ﷺ ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ حالی اور اقبال کے اسی بنیادی نکتہ کی تفہیم ظفر علی خاں نے بھی کی۔ :میں دانشورانہ سطح پر احساس تھا کہ ماحول کیا ہے؟ عصری ضرورتیں اور تقاضے کیا ہیں؟ اور کن سطحوں پر ان میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟ اور جب حالی اور اقبال کی طرح ان کے پیشِ نظر یہ نکتہ آیا کہ سایہ رسول ﷺ میں ہی عافیت ہے تو انہوں نے ایک وسیع تناظر میں یہ سوچا کہ اگر ایک شخص کی عاقبت اتباعِ نبوت ﷺ سے سنور سکتی ہے تو پوری قوم کی عاقبت اس سے کیوں نہیں سنور سکتی؟ لہٰذا انہوں نے نعت کو شخصی پیرائے سے نکال کر ملی پیرائے میں پیش کیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ ظفر علی خاں کی نعتوں میں ملی عناصر کا کینوس حالی اور اقبال سے بھی زیادہ وسیع ہے''۔

نعت گوئی کی تاریخ میں بعض اُمور میں مولانا کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ انہوں نے حالی اور اقبال سے گہرا تاثر لیتے ہوئے بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھا۔ انہوں نے بطور صنفِ سخن نعت گوئی کو اپنایا اور اس کے ذریعے مسلمانوں کی زبوں حالی کو سہارا بھی دیا اور انہیں ایک روشن مستقبل کی راہ بھی

دکھائی۔ اپنے دور کی سیاسی اور سماجی تلخیوں کو نعتیہ آہنگ دے کر، آلامِ روزگار کو آسان بنا دیا۔ یوں غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج ان کی نعت گوئی کی ایک خصوصیت بن گئی۔ انہوں نے قادیانی نبوت کا تاروپود بکھیر کر ختمِ نبوت کے تحفظ کو ایک ایسی تحریک بنا دیا جو مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے پر منتج ہوئی۔ انہوں نے حالی ہی کے انداز میں کائنات اور ذات دونوں کے غم بطور استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بندہ نواز میں پیش کیے۔ مگر ہر مقام پر حضور ﷺ کی ذات اقدس کو وسیلہ اور حوالہ بنایا اور استعانت اُسی ذات بلند و برتر سے چاہی جس کو ہم عبادت کرتے ہیں اور جو فی الواقع ہمارا نشیمن بھی ہے اور شاخِ نشیمن بھی۔ وہ ہر آڑے وقت میں نبی کریم ﷺ سے التماس کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں کہ اُمتِ مسلمہ کی ظلمتیں نور کے سانچے میں ڈھل جائیں اور درد و غم کی کلفتیں، راحتوں میں بدل جائیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دُعا کو اُمت کے لیے وجہ سکون قرار دیا ہے۔ نیز مولانا نے سیرت کے درخشاں موتیوں اور قرآن و حدیث میں بکھری ہوئی صداقتوں سے اپنی نعت کو واقعیت کا حسن عطا کیا۔ بہر کیف مولانا نے اپنی نعت کو ادیبانہ جمال، خطیبانہ جلال اور مورخانہ کمال دے کر ایک ایسی تحریک کی شکل دی جس نے مستقبل کو جذبہ وجنوں کا والہانہ پن بھی بخشا اور توانائی و رعنائی کا سرمایہ بھی۔
بہت سے نعت گو شعرا نے اپنی ذات کے حوالے سے نعتیں کہی ہیں۔ انہوں نے

انہی مضامین کو نعت بنایا ہے جو ان کا دل حضور ﷺ کے بارے میں محسوس کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا احساس محبت اور شیفتگی ہی کا حاصل ہے۔ بعض نے حضور ﷺ کی ذات بابرکات کے شمائل کو نعت میں ڈھالا اور یوں منظوم سراپا نگاری کو واقعیت کا تقدس ملا کہ عام محبوب کا ذکرِ جمال، مبالغے کی حدوں کو پھلانگ کر بھی حسن اظہار کے اُس کمال تک نہیں پہنچ سکا جو حضور ﷺ کے ظاہری سراپا کے واقعی اظہار کو نصیب ہے۔ کہ آپ ﷺ فی الواقع حسنِ کائنات تھے اور کائناتِ حسن بھی۔ بعض شعراء نے اُن تاریخی واقعات کو نظم کیا جن کا تعلق حب رسول ﷺ کی سرشاریوں اور ناموسِ رسول ﷺ کی پاسداریوں سے تھا کہ محب کیسے جاں نذر کر کے بھی، اس تاسف کا شکار رہتا ہے کہ اس سے محبوب کے شایانِ شان کچھ بھی نہ ہو سکا۔ بعض سیرت کے مختلف پہلوؤں کو نظم کرتے ہیں کہ یہ سیرت ایک منارِ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ کچھ نعت گو ایسے بھی ہیں جو حضور ﷺ کو قرآن پاک کے آئینے میں دیکھتے اور قرآن ہی کی روشنی میں انہیں پیش کرتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنے ممدوحِ عظیم و جلیل کو اُسی رنگ و آہنگ سے نعت میں پیش کرنے کی سعی کی ہے جو قرآن کا نشانِ امتیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ایک آفاقی اور عالمی رہبر کی حیثیت سے پیش کیا ہے کہ حضور ﷺ ہمارے ہی نہیں، سب کے ہیں اور اُن کی اُمت، جملہ موجوداتِ عالم کی رہنمائی کے لیے بھیجی گئی ہے۔ نعت کا یہ رنگ سراسر قرآنی ہے۔ چند شعر

دیکھیے:

وہ وقت آنے کو ہے جب ایشیا کی طرح یورپ بھی
رسول اللہ ﷺ کے خوان کرم سے ریزہ چیں ہو گا

....

عرب کے واسطے رحمت، عجم کے واسطے رحمت
وہ آیا، لیکن آیا، رحمۃ للعالمیں ہو کر

....

ہیں عرب و عجم ترے، دونوں پہ ہیں کرم ترے
تجھ سے حرم کی آبرو، تیرے قدم میں سومنات

سارے جہان کے لیے دیدہ ہوش تو ہی تھا
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

مسلم ہے خدا کے بعد جس کی شان یکتائی
ہے نام اس کا محمد ﷺ ابن عبداللہ بطحائی

وہ آیا جس کی رحمت کی فراوانی کے دامن میں
جہان اسود و احمر نے یکساں پرورش پائی

اور آخری شعر اس بات کی دلیل ہے کہ ظفر علی خاں نعت میں حضور ﷺ کو پوری کائنات کے لیے منبع رُشد وہدایت بنا کر پیش کرتے ہیں مگر وہ اپنی

ذات کو پھر بھی نہیں بھولتے اور اپنی ذاتی فلاح وکامرانی کے لیے اُسی گوشہ چشم التفات کے تمنائی ہیں جو ہر خشک وتر کے لیے رحمت ہے اور جس شخصیت کا ہر بول رحمت، ہدایت اور شفقت سے معمور ہے۔

اب مولانا کی نعت سرائی کے متنوع پہلوؤں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا۔

اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

ظفر علی خاں، حضور ﷺ کو وجہِ وجودِ کائنات ثابت کرنے کے لئے

لولاک لما خلقت الافلاک

والی حدیث کا سہارا لیتے ہیں جس کی اصل محققین کے نزدیک محل نظر ہے۔ مگر اس کے باوصف یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ کائنات انسان کے لیے بنائی گئی۔ چاند تاروں کو ضیا انسان کے لیے دی گئی۔ اسی کے نظارے کے لیے شاخِ گل جھومتی ہے اور عروسانِ چمن کا یاسمینی بانکپن اسی ظلوماً جہولاً کے لیے ہے۔ ابوالبشر۔ اسی کائنات کو سجانے کے لیے اترے کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ ساری آرائش ایک خیر البشر (علیہ السلام) ﷺ کے لیے ہے جو اپنے نورِ وجود کے اعتبار سے اولین اور ظہورِ وجود کے لحاظ سے آخرین ہے۔ کیونکہ کوئی بھی اول ہوئے بغیر آخری نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے ظفر علی خاں حضور ﷺ کو ہر غایت کی غایت اول،

نور صبح اولین کو انھی کے انوار کا پرتو ان ﷺ کے ذکر کو محفل حیات کی رعنائی' انہی کی رعنائی کو کائنات کے چہرے کا غازہ اور انہی کے جمال کو ارضی تصرف اور ہر سماوی تجلی کا امین قرار دیتے ہیں۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں' یہ نور نہ ہو سیاروں میں

....

فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم
بقائے خدا و دوام محمد ﷺ

....

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

....

خدا نے اس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھنا ہے اس کا پرتو' نورِ صبح اولیں ہو کر
خدا کی شان سے رونق ہے موجودات عالم کی
وہ سب نبیوں کے بعد آیا مگر کیا کیا نہیں ہو کر

....

اے کہ ترا شہود ہے وجہ نمود کائنات
اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفلِ حیات
اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانہ کے صفات
سب ملکی تصرفات' سب فلکی تجلیات
اے کہ تری نمود ہے غازہ روئے کائنات
جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات
نور ترا نہ چیرتا گر افقِ شہود کو
ختم نہ ہوتی آج تک تیرگی شب حیات

....

چمن پیرائے امکاں گر نہ ذات مصطفیٰ ﷺ ہوتی
مشام جاں معنبر ہو نہ سکتا کوئے عرفاں سے

....

دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

....

وہ اُٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علم بردار حق بن کر' سپہ سالار دیں ہو کر

ختم تجھ پر ہو گیا انسان کامل کا لقب
لا نہیں سکتے زمین و آسماں تیرا عدیل

خدا سے واصل اور دنیا میں شامل
رسول اللہ ﷺ ہیں انسان کامل

ڈال رکھی ہے گلیم فقر اس نے دوش پر
اس کے سر پر ساتھ ہی تاج جہانبانی بھی ہے
وہ خدا سے دور بھی ہے اور خدا کے پاس بھی
وہ رسول اللہ ﷺ بھی ہے اور ظل سبحانی بھی ہے

وہ جب آیا تو ساتھ اس کے اک ایسا انقلاب آیا
کہ ہیں اس وقت تک مہر و مہ انجم تماشائی
وہ ساقی جس کی محفل کے لیے دوش ملائک پر
خمستان ازل سے سبو میں سربمہر آئی
وہ آقا جس کی رحمت کی فراوانی کے دامن میں

جہان اسود و احمر نے یکساں پرورش پائی
وہ مولیٰ جس کے لطف بے نہایت کا یہ عالم ہے
کہ تنگ اس کے لیے تھی مشرق و مغرب کی پہنائی

مولانا ظفر علی خاں نے اپنی نعت گوئی میں زیادہ زور سیرت رسول ﷺ پر دیا ہے کہ یہ سیرت ہر دور کے ہر انسان کے لیے زندگی کے ہر مرحلے پر سرمایہ بصیرت ہے۔ مولانا نے اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ پر رسالت ختم ہے اس لیے آپ ﷺ کی رہنمائی تا ابد ہر دور کو محیط ہے۔ حضور ﷺ نے دینی اور دنیاوی معاملات میں اعتدال کا حسن پیدا کیا۔ اور یہ آپ ﷺ ہی کا شعار حسین ہے کہ بات' حق کہی جائے خواہ نتیجہ دار ورسن ہی کیوں نہ ہو۔ ظفر علی خاں سیرت رسول ﷺ کے اس خوبصورت پہلو کو بھی ابھارتے ہیں جس میں حضور ﷺ اپنے جانی دشمنوں کے لیے عافیت کی دُعا فرماتے ہیں اور راستے میں کانٹے بکھیرنے والوں کو بھی پھولوں میں تولتے چلے جاتے ہیں۔ ظفر علی خاں کے نزدیک ہمارے جرم ہائے سیاہ کو بالآخر اماں ملے گی تو اُسی شفیع المذنبین ﷺ کے دامن کرم میں؛ جس نے بروں کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ میرے ہیں۔ عظمت' لالہ وگل کی محبت سے کہیں زیادہ کانٹوں کو سینے سے لگا لینے میں ہے' لالہ وگل کو تو ہر دل قبول کرتا اور ہر آنکھ بنظرِ تحسین دیکھتی ہے۔

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

اک روز جھلکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں
جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا جو نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

.....

بن گیا قرآں کی ہر ہر سطر ہر ہر لفظ میں
نطق تیرا شانہ زلف پیام جبرئیل
تیری روشن زندگی کے کارنامے بن گئے
اہل ایماں کے لیے ہر مرحلہ میں سنگ میل
کر دیا تو نے قوام دین و دنیا معتدل
ناخن رہبانیت کی جڑ میں ٹھونکی تو نے کیل

.....

اظہار امر حق میں نہ ہو خوف داروگیر
ہے اعظم الجہاد بحکم خبر ہی

.....

اے شہ ہر دو جہاں، سرور کون و مکاں ﷺ
تو ہے خدا کا حبیب تو ہے خدا کا ندیم
تو ہے شفیع مطاع تو ہے نبی کریم ﷺ

تو ہے قسیم جسیم، تو ہے نسیم وسیم
تجھ سے مزین ہوئی مسند پیغمبری
تجھ سے فروزاں ہوئی بزم الف لام میم
دیکھ کر تجھ کو گرے لات و ہبل سر کے بل
آتے ہی تیرے فرو ہو گئی نار جحیم
کون سی ایسی ہوئی اس میں تعجب کی بات
تیرے اشارے سے ہو گر مہ کامل دو نیم

.....

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا
دست دُعا انہی کے لیے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا
بوتے رہے جو رستہ میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آ کر تلا ہوا
احسان کی نوید سپید و سیاہ کو
سب کے لیے دریچہ رحمت کھلا ہوا

.....

اُس نبی ﷺ کا تھام لے دامن جو ہے ختم رسل
جس کی رحمت ہے دو عالم کی سعادت کا نچوڑ
چشمہ دین محمد ﷺ خشک ہو سکتا نہیں
اس کنوئیں سے آ کے پانی بھر جو ہے پاتال توڑ

وہ آقا ﷺ جس کی رحمت نے اگر اپنوں کو ڈھانپا ہے
تو اوقاتِ مصیبت میں پرایوں کے بھی کام آیا

واقعہ معراج کے بارے میں علامہ اقبال کے دو شعر ہیں۔

اختر شام سے آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال میں پرخلوص دوستانہ روابط تھے۔ دونوں مل کر شعر بھی کہا کرتے تھے، اور خانگی نوعیت کے بعض واقعات کو بھی نظم کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال، مولانا کے دفتر میں آ کر اُن سے نعتیں سن کر شاد کام ہوا کرتے تھے۔ گو دونوں کے فکر کی منزل ایک تھی مگر اقبال کے حکیمانہ افکار کی دُنیا کہیں وسیع تھی اور ظفر علی خاں کے رشحاتِ خامہ کا عالم، سیاست

وصحافت کی ہنگامی ضروریات تک محدود۔ مگر مولانا کی نعت گوئی اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ ایک ایسا نغمہ ہے، جس پر نہ کوئی موسم کی قید ہے نہ کسی وقت کی پابندی۔ اس لیے یہ نغمہ چہکنے کے لیے نہ فصل لالہ و گل کا محتاج ہے اور نہ خزاں کی ویرانیاں ہی اس چہک کی مہک کو افسردہ کر سکتی ہیں۔ یہ الگ بات کہ یہ نغمہ ہر ساز پر نہیں گایا جا سکتا۔ اس کے لیے خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔ ممکن ہے علامہ اقبال ہی کے تتبع میں، ظفر علی خاں نے بھی واقعہ معراج پر طبع آزمائی کی ہو۔ اُن کی ایک طویل نعت اسی رنگ میں ہے۔ گو علامہ دو شعر ہی کہہ سکے کہ بقول ایک نقاد وہ سو بار سوچتے اور ایک بار لکھتے تھے۔ جب کہ ظفر علی خاں کی طبیعت میں روانی اور طغیانی تھی۔ طبع رسا کھلتی تھی تو کھلتی ہی چلی جاتی تھی۔ قلم حرکت میں آتا تھا تو روکے نہیں رُکتا تھا۔ واقعہ معراج کے بارے میں مولانا کے خامہ عنبر شامہ کی اڑانیں دیکھیے۔ ایک طرف جبرئیل حضور ﷺ کو لے جا رہے ہیں اور دوسری طرف اُن کا قلم اُس مقام ارفع و اعلیٰ کی حقیقتوں کو کھولتا چلا جا رہا ہے جہاں عقل کے پَر جلتے اور عشق کا والہانہ پن باریابی پاتا ہے۔

جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمھی تو ہو
جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
اے رہ نورد جادہ اسریٰ تمھی تو ہو

عشق مہمان ہوا حسن کے گھر آج کی رات
جذبہ دل ہے باآغوش اثر آج کی رات

بخت بیدار نے دی دولت سرمد کی نوید
کیوں نہ آنکھوں میں کٹے تا بہ سحر آج کی رات

اپنے اللہ سے ملنے کے لیے جاتا ہے
اپنے اللہ کا منظور نظر آج کی رات

ماہ و انجم نے سر راہ بچھا دیں آنکھیں
کیونکہ ہے ناقہ اسریٰ کا سفر آج کی رات

کہکشاں جلوہ فشاں ہے کہ اسی رستے سے
ہونے والا ہے محمد ﷺ کا گزر آج کی رات

چاند کیا چیز ہے، سورج کی حقیقت کیا ہے
پرتو نور سے روشن ہے نظر آج کی رات

اُٹھ گیا چہرہ ہستی سے نقاب اسرار
لائی ہے رازِ امانت کی خبر آج کی رات

مل گئی دونوں جہانوں کے خزانوں کی کلید
اپنے معراج پہ پہنچا ہے بشر آج کی رات

لائے براق جبرئیل کس لیے اس کے واسطے
ہوتی تھی جس کی رات دن گنبد عرش پر نماز

سواری رہ نورد منزل اسریٰ کی جب نکلی
تو جبریل امیں تھامے ہوئے اس کی لگام آیا

شب معراج وہ شب ہے کہ کھولے رب اکبر نے
رسول اللہ ﷺ پر اسرار خلوت گاہ او ادنیٰ
یہ وہ شب ہے کہ پیغمبر ﷺ کے سر پر اپنے ہاتھوں سے
خدا نے فخر سے رکھا ہے تاج سطوت کبریٰ
یہ وہ شب ہے کہ روشن کردیئے چودہ طبق اس نے
تجلی بن گئی اس کی فروغ دیدہ بینا
یہ وہ شب ہے کہ اس کی روشنی سے جگمگا اُٹھے
در و بام و رواق و طاقِ قصرِ ملت بیضا
غبار راہ کیا تھا' کہکشاں کی جلوہ ریزی تھی
گلی کوچوں پہ ہوتا تھا گمان سینہ سینا

آخری شعر کے بعد علامہ اقبال کا یہ شعر حاشیہ خیال پر خود بخود ابھر آتا ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

صحابہ کرامؓ کا ذکر پُرنور بھی ہر دور کی نعت کا ایک قابل ذکر پہلو رہا ہے۔ کیونکہ وہ نفوس قدسیہ، براہ راست انوار نبوت سے فیضیاب تھے۔ اُن کی نگاہیں رُخ رسالت مآب سے براہ رات انوار سمیٹتی تھی، اُن کے دل کی دھڑکن حضور ﷺ کی آواز پا سے ہم آہنگ رہتی تھی اور اُن کی ہر طلب خوانِ رسالت ﷺ کی خوشہ چینی اور اُن کا ہر عمل اسوہ رسالت ﷺ سے فیضیاب تھا۔ اسی لیے ہر صحابیؓ روشن ستارہ ہے کہ اس سے دل لگا کر دل کی ہر ظلمت، نور بن سکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ سے محبت، خوشنودی رسول ﷺ کا باعث ہے کہ وہ سب ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں۔ اور یہ انہی کی والہانہ جانفروشیوں اور پرخلوص کاوشوں کا اثر ہے کہ اس خطہ ارض کا کوئی گوشہ اور اوقات عالم کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو نبی کریم ﷺ کے ذکر حسین سے منور و معنبر نہیں ہے۔

ظفر علی خاں نعت میں جابجا ان پاک ہستیوں کے حضور میں خراج عقیدت پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

ہم مرتبہ ہیں یاران نبی ﷺ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

.....

اسلام کا زمانہ میں سکہ بٹھا دیا
اپنی مثال آپ ہیں یارانِ مصطفیٰ ﷺ

.....

کٹ مرنے کو ناموس نبی ﷺ پر ہوں میں تیار
وہ سر جو ہوا تن سے جدا میرے لیے ہے
ترکہ میں ملی ہے مجھے فاروقؓ کی سطوت
صدیقؓ کا اندازِ صفا میرے لیے ہے
جس قوت بازو نے اکھاڑا در خیبر
وہ موہبت شیر خداؓ میرے لیے ہے
میں مٹ کے رہ حق میں ہوا زندہ جاوید
خوش ہوں کہ فنا میں بھی بقا میرے لیے ہے

.....

صدیقؓ ہوئے تصدیق میں ہم فاروقؓ بے تفریق میں ہم
ایماں طلبی میں بوذرؓ ہیں، خیبر شکنی میں صفدرؓ ہیں
ہیں جان حیا عثمانؓ کی طرح، ہیں آن وفا سلمانؓ کی طرح

اسلام ہے کف، ہم خنجر ہیں، طاغوت ہے رگ، ہم نشتر ہیں

....

سیل کی طرح جو نکلے تھے بیابانوں سے
آب جو بن گئے، گزرے جو خیابانوں سے

آخری شعر قرآن پاک سے براہ راست ماخوذ ہے۔ اس مفہوم کے اشعار علامہ اقبال کے بھی ہیں کہ مسلمان اپنوں کے لیے ریشم ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں فولاد۔

دل کی ساری داستان آرزو ہی سے رنگین ورعنا ہے۔ آرزو بکھر جائے تو سینوں کے اندر دل مرجھا جاتے ہیں اور انسان بصارت کے باوجود بصیرت سے محروم رہتا ہے۔ ضمیر لالہ میں چراغ آرزو روشن ہو تو پورا ماحول منور اور معطر ہو جاتا ہے۔ ہر آرزو، کسی نہ کسی مقصود، محبوب اور مطلوب کے گرد گھومتی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں اپنی نگاہوں کی جملہ تمناؤں اور اپنے دل کی جملہ چاہتوں میں، حضور ﷺ ہی کے واسطے سے، یوں رنگ بھرتے ہیں کہ جہاں تک نگاہ جاتی ہے، چراغ ہی چراغ جگمگاتے ہیں اور جہاں تک خیال جاتا ہے، روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے۔
آرزو جواں ہو تو زندگی بھی جواں ہے اور زندگی اپنے ہر ادعا کے باوجود مرگ ناگہاں ہے۔ ظفر علی خاں کہتے ہیں۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دُنیا تمہی تو ہو

....

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پہ نثار
سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پہ نثار
ہم تری ذات پہ فدا ہم ترے نام پہ نثار
تیری گلی میں ہوں مقیم، تیرے مقام پہ نثار

....

تیری چشم مست کا صدیق اکبرؓ ہے خراب
تیری تیغ ناز کا فاروق اعظمؓ ہے قتیل

....

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ طیبہ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

....

مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی الفت، لطف خدا سے مل ہی گئی
اے دل ناداں، اس سے زیادہ تجھ کو ہو کس دولت کا حصول
دین بھی ہو جائے مجھے حاصل، دنیا کی بھی مراد ملے
گوشہ چشم عنایت مجھ پر ہو جو پیمبر ﷺ کا مبذول

آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں دولت مشرق و مغرب کو
سرورِ عالم ﷺ اگر فرما لیں نذرِ محقر مری قبول

رسول اللہ ﷺ کے فیوض و برکات کا سلسلہ ایک دوامی وسعت کا حامل ہے۔ آپ ﷺ ہر نوع سے بشیر ہیں۔ نذارت بھی ایک نوع سے بشارت ہے کہ اس سے گمرہوں کو راستے کی وہ صداقت نصیب ہوتی ہے جو انہیں جنت تک لے جاتی ہے۔ آپ ﷺ عالمین کے لیے رحمت ہیں' آپ ﷺ اپنی اُمت کے لیے حریص ہونے کی حد تک رؤف و رحیم ہیں۔۔۔ قرآن مجید کی اس نوع کی آیات آج بھی تازہ و تاباں ہیں۔ منسوخ نہیں ہوئیں کہ ہم کہیں کہ حضور ﷺ کل رؤف و رحیم تھے آج نہیں ہیں۔ اعلان نبوت سے قبل آپ ﷺ کے وجودِ ذی جود کے حوالے سے' حضرت ابوطالب تپتے ہوئے موسموں میں بارانِ رحمت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اور وہ تمنا' بارآور ہوا کرتی تھی۔ آج بھی آپ ﷺ کا حوالہ اللہ تعالیٰ کے کرم کو جوش میں لاتا اور خزاں کو بہار میں بدلتا ہے۔ درود آپ ﷺ ہی کا حوالہ ہے کہ اس کے بغیر ہر ارادہ خام' ہر خاکہ بے رنگ' ہر آرزو بے نور اور ہر دُعا نارسا ہے۔ نبی پیدا ہی نبی ہوتا ہے۔ وہ جب مہد میں بھی اپنی زبان سے صداقت و ہدایت کا اعلان کرتا ہے تو لحد میں نور و سرور و حضور کا یہ سلسلہ کیسے کٹ سکتا ہے۔ کٹے ہوئے تو ہمارے دل ہیں کہ جڑ نہیں رہے۔ مفلوج تو ہمارے ہاتھ میں کہ اٹھ نہیں رہے۔ اندھے تو ہم ہیں کہ آنکھیں

دیکھ ہی نہیں رہیں۔ کٹے ہوئے پتنگ ہمیشہ بے منزل اور بے راہ ہوا کرتے ہیں۔ دریا تو آج بھی رواں ہے' اس کی موجیں آج بھی تابناک ہیں' کرم کے سلسلے آج بھی یم بہ یم' جو بہ جو اور کو بکو ہیں۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا:

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابداً علیٰ افق البقاء لا تغرب

گویا پہلوں کے سورج غروب ہو گئے لیکن ہمارا آفتاب ہمیشہ افق پر جلوہ افروز رہے گا۔ کبھی غروب نہیں ہوگا اور اب رسالت مآب ﷺ کی رحمتوں کے انہی ابدی سلسلوں کی ایک جھلک مولانا ظفر علی خاں کے نعتیہ کلام میں دیکھیے۔

زمانے میں چمکا ہے نام محمد ﷺ
ہوئی روکش صبح' شام محمد ﷺ
مرا منہ لیا چوم روح الامینؑ نے
لیا میں نے جس وقت نام محمد ﷺ

....

پیتے ہی جس کے' زندگی جاوداں ملی
اس جانفزا زلال کے مینا تمہی تو ہو
اٹھ اٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں

وہ درد دل میں کر گئے پیدا تمہی تو ہو
گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ طیبہ و بطحا تمہی تو ہو

* * *

خدا پر تھا یقیں پہلے ہی لیکن اس کا احساں ہے
کہ آنکھوں میں یقیں پھرنے لگا، عین الیقیں ہو کر
اُسی کا بے حساب احسان ہم پر تھا کہ صدیوں تک
رہا ہندوستاں اسلام کے زیرِ نگیں ہو کر

* * *

تیرے غلام ہو گئے سارے جہاں کے شہر یار
سرور کائنات ﷺ تو اور وہ زمیں کے تاجدار
صبح ازل سے ڈھونڈتی تھی جسے چشم انتظار
تیرے کرم کے فیض سے باغ میں آئی وہ بہار

* * *

مشرق ہے تجھ سے مستفیض، عرب ہے تجھ سے فیضیاب
دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہمرکاب
جو تیرے در کی خاک تھے، ہو گئے آسماں جناب

لطف ترا ہے بے شمار، کرم ترا ہے بے حساب

* * *

خلق ہوئی تھی میمنت، تیرے قدوم کے لیے
وضع ہوئی تھی معرفت، تیرے علوم کے لیے
فیض نہ تھا ترا فقط قوم ظلوم کے لیے
بلکہ ترا خصوص تھا وقف عموم کے لیے

* * *

گردن خلق ایک ساتھ جھک گئی رب کے سامنے
چون و چرا نہ چل سکا اصل سبب کے سامنے
گرد ہوئی کیمیا خاک عرب کے سامنے
تو نے یہ گنج شائگاں رکھ دیا سب کے سامنے

* * *

یا محمد ﷺ تیری اُمت مٹ نہیں سکتی مگر
ہو نہیں سکتا فنا جس طرح آب رود نیل
لوح ہستی سے نہ ہو گا محو نقش اسلام کا
متفق ہیں اس حقیقت پر زمانے کے عقیل
جلوہ گر پائے گا ہم کو نت نئے انداز سے

رنگ بدلے خواہ کتنے ہی نہ کیوں یہ چرخ نیل

تاجوروں کے رشک کو خاک در نبی ﷺ ہوئی
سرمہ دیدہ بلالؓ غازہ چہرہ معاذؓ

ہو گئے صحرا نشیں صاحب دیہیم و تاج
عامی و جاہل بنے تیری بدولت حکیم
دولت دنیا و دیں قوم کو دی ایک ساتھ
ہے تری بخشش کثیر ہے ترا احسان عظیم
الغرض احساں ترے قوم پہ ہیں بے حساب
اُٹھ نہ سکے گا کبھی ہم سے یہ بار عظیم
شافع روز جزا ﷺ تو نہ ہو گر کارساز
ہم کو میسر نہ ہوں خلد بریں کے نعیم
خسرو و خاقاں کا فخر، تیرے گدایان در
صاحب فوز عظیم تیری گلی کے مقیم

چمکتا ہوا سارے مشرق میں پھیلا

کیا روشن اس نے تمام ایشیا کو
پھر اس نے کیا مغربی کشوروں میں
جدا نقش واللیل سے والضحیٰ کو
ضلالت کی شب ہائے غاسق کی ظلمت
نہیں میٹ سکتی ہے اس انجلا کو

دکھا رہی ہے دُعائے خلیلؑ اپنا اثر
ہیں جلوہ ریز نوید مسیحؑ کے انوار
جناب آمنہؓ کے پہلوئے مبارک سے
ہوا ہے رحمت پروردگار کا اظہار
حضور سرور کون و مکاں ﷺ ہوئے پیدا
پیمبری کے گلستاں میں آئی فصل بہار
جہان و اہل جہاں کی پلٹ گئی کایا
مٹائی مہر درخشاں نے ظلمت شب تار
بڑھی سیادت ایماں، گھٹی ضلالت کفر
چھٹی سیاہی باطل، پھٹا بدی کا غبار
کرشمہ سنج ہوا ساقی عرب ﷺ ایسا

کہ شرق و غرب مئے حق سے ہو گئے سرشار
جنابِ ختمِ رسل ﷺ پر ہزار بار درود
ہے جن سے عالمِ امکاں کی گرمیٔ بازار

.....

محمد ﷺ مصطفیٰ کا نام لکھ کر
منور ہو گئے میرے انامل

حضور ﷺ اس کائنات کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم ترین احسان ہیں۔ آپ ﷺ نہ آتے تو ہمارے دل کفر کا آشیانہ ہوتے۔ رُشد و ہدایت کی وہ راہیں مسدود، اور فکر و نظر کی وہ لَو محدود ہوتی جس سے ذوق کی نزہت اور شوق کی ثروت عبارت ہے۔ بے ذوقی اور کم نظری ہی انسان کو گمراہ کرتی ہے۔ حضور ﷺ نے بصارت کو بصیرت، ذوق کو آگہی، اور شوق کو رہ نوردی کی عظمتوں سے نوازا۔ نتیجہ معلوم کہ سانس لینے والے مردوں کے دل چراغِ آرزو سے روشن ہو گئے۔ یہ روشنی تقاضا کرتی ہے کہ ہم ان عظیم احسانات کا شکریہ درود و سلام کی شکل میں ادا کرتے رہیں۔ مولانا ظفر علی خاں کی نعت میں درود و سلام کے مختلف پیرائے آج کے نعت گو کے لیے مثال اور نمونہ ہیں۔ اُن کے ہاں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی معروف ردیف میں بھی نعت موجود ہے، اور عام رنگ میں بھی سلام و نیاز کی کیفیات جلوہ گر ہیں۔

خیلِ ملک تھا اس کے جلو میں یعنی قضا کا رخش تھا رو میں
تا کہ جہاں ہو درہم برہم، صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی غلامی نے اُسے بخشا، تاجِ سکندر، فرِ دارا
کوکبۂ کے، مرتبہ جم، صلی اللہ علیہ وسلم
عرشِ بریں سے فرشِ زمیں تک، فرشِ زمیں سے عرشِ بریں تک
غلغلہ برپا ہے یہی پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

.....

فرش پہ تیرے ہمہمے، عرش پہ تیرے زمزمے
بھیج رہی ہے کائنات تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

.....

ختمِ رسل ﷺ پہ بھیج رہا ہوں سلام میں
میرا یہ زمزمہ ہے ترانہ زبور کا
دل میں جو ہے وہ آ نہیں سکتا زبان پر
خود اعتراف ہے مجھے اپنے قصور کا

قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ اُن رہنما اصولوں کا مجموعہ ہے جو ہر دور، ہر گام اور ہر ساعت میں نوعِ انسانی کو درکار ہیں۔ داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوے اور دعوت دونوں سے قبل خود کو پیش کیا کہ میں چلتا پھرتا

قرآن ہوں۔ نتیجہ معلوم کہ آپ ﷺ کے اکثر مخالفین بھی آپ ﷺ کے کردار کی لطافت و نظافت پر انگلی نہ اُٹھا سکے۔ ظفر علی خاں اس مجسم قرآن کی مدح سرائی پر آتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے قرآن کے اوراق ان کے تصور میں کھلتے اور مفاہیم قرآن نعت کے رنگ میں کھلتے چلے جاتے ہیں' کہ قرآن سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پرشکوہ بیان اور مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک الوہی تذکرہ ہے۔ چونکہ ظفر علی خاں' قرآنی رُموز و غوامض کو خوب سمجھتے تھے اس لیے وہ جب نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنے پر آمادہ ہوتے تھے تو آیات قرآنی بے ساختہ مصرعوں میں ڈھلتی چلی جاتی تھیں۔ جب نعت گو کو قرآن پاک کا فہم نصیب ہو اور تذکرہ جمیل اس ذات گرامی قدر کا ہو جس کا سراپا قرآن کی آیتوں میں ڈھلا ہوا ہو' اور پھر اس کی طبیعت بھی رواں اور رسا ہو' تو پھر قلم میں کیسے پرِ ہما کی جنبش پیدا نہ ہوگی۔ اور بات کیسے سحر حلال بن کر دل میں ترازو نہیں ہوگی۔

قرآن کریم ایک حکیم و حمید ذات کا نازل کردہ ایسا ضابطہ حیات ہے جو عبرتوں کی داستان بھی ہے اور بشارتوں کا مرقع بھی۔ حکمتوں سے لبریز بھی ہے اور انوار سے بھرپور بھی۔ نبض تقدس بھی ہے اور روح حرم بھی۔ ازل کے مصور کا نقش قلم بھی ہے اور فطرت کے ماتھے کا خطِ جمیل بھی اور اس کے ساتھ ہی محمد ﷺ کے اشکوں کی ٹھنڈی سبیل بھی۔ یہ قرآن حضور ﷺ کے فضائل کو اس انداز سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ وہ بیان خود ایک نوع سے نعت بن جاتا ہے۔ مولانا کی

نعت سرائی کے اکثر مقام' آیات قرآنی سے انوار سمیٹتے نظر آتے ہیں۔

پھوٹا جو سینہ شب تار الست سے
اس نور اولیں کا اُجالا تمہی تو ہو

....

نہ نکلی کوئی بات اس کی زباں سے تا دم آخر
نہ نکلی ہو جو زیب نطق جبریل امیں ہو کر

....

دولت اور اقبال کر سکتے نہیں ہم سے ابا
آیت استخلاف کی ہے اپنے دعوئٰ کی دلیل

....

بادہ آمنوا پیوں' موت کے بعد میں جیوں
مطلع فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز
دین قویم مصطفیٰ ﷺ رحمت عام ہو گیا
آتے ہی اس کے اُٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

....

مصطفیٰ ﷺ کو جب ملا پیغام اکملت لکم
گل ہمیشہ کے لیے شمع نبوت ہو گئی

آسماں نے حکم کا انعام، حکمت کو دیا
حق کی حجت ختم ہو کر حق کی رحمت ہو گئی

....

مرتبہ آپ کی جس کی ہر اک شق رب اکبر نے
پیمبر ﷺ عرش سے لے کر وہ دستوری نظام آیا

....

ہم صل لربک پڑھتے ہیں پروان اسی سے چڑھتے ہیں
کیونکر نہ عدو سب ابتر ہوں ہم خیر کثیر کوثر ہیں

....

جھوم کے پی رہا ہوں میں جام متم نورہ
گھوم رہا ہے جام میں نشہ بادہ حجاز

مولانا ظفر علی خاں، حضور ﷺ کے روحانی تصرفات کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے تھے۔ وہ "بے کسان ہند کی بپتا" مدینے ہی کی بارگاہ ناز میں لے جاتے ہیں کہ وہیں سے تمناؤں کو بال و پر ملتے ہیں۔ وہی محفل، آسودگی کی جان ہے۔ وہیں اضطراب کو سکون ملتا ہے۔ زخموں کو مرہم وہیں سے نصیب ہوتا ہے اور آبلہ پا، اسی سایہ دیوار میں عافیت پاتے ہیں۔ مولانا اپنی ہر آرزو کو حضور ﷺ ہی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتے ہیں

اور آرزوؤں کی اس دنیا میں اُن کے دور کا سیاسی کرب، وقت کی نامساعد گردشوں سے ہم عناں اور دل دردمند کی تمنائیں، ترستی نگاہوں سے ہم آغوش دکھائی دیتی ہیں۔ ظفر علی خاں کی نعت، نسیم صبح کی طرح کلیوں کو چٹکاتی اور جہان آرزو میں کیف برساتی چلی جاتی ہے۔ اُن کی نعت فی الواقع شمع آرزو ہے کہ وہ حریم جان میں تبسم کی کرن بن کر ابھرتی اور پھیلتی ہے۔ نتیجہ معلوم کہ ظلمت مٹی، سائے سمٹتے اور سحر ابھرتی محسوس ہوتی ہے۔ الغرض وہ خود کو تمناؤں کی ایک کہکشاں بنا کر خاصہ خاصان رسل ﷺ کے دربار میں جاتے ہیں۔ اُن کی ان دعاؤں میں مولانا حالی کے مسدس کی اثر آفرینیاں صاف جھلکتی ہیں۔ وہ اپنے دور کے حال زار پر تڑپتے اور عہد سلف کی رعنائیوں کو ایک بار پھر دیکھنے کے تمنائی ہیں۔

بپتا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے
ہم بے کسان ہند کے ملجا تمہی ﷺ تو ہو

....

تیرے روحانی تصرف نے کیا ہے جس طرح
تندرست اس کو جسے مغرب سمجھتا تھا علیل
در فشاں اے ابر رحمت ہند پر بھی ہو یونہی
تا کہ ہوں سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل
علم کا ہو شوق بھی اور ہو عمل کا ہم کو ذوق

قرن اول کے ہوں پیدا ہم ہیں اخلاق جمیل

تو نے جلائی تھی جو مشعل عالم فروز
قوم کا اب تک بھی ہے اس سے منور حریم
بزم میں لیکن وہ رنگ اب نظر آتا نہیں
باغ میں باقی نہیں رونق عہد قدیم
ہے یہ دُعا کا محل اے شہِ دنیا و دیں ﷺ
عرض کر اللہ سے جو ہے خبیر و علیم
بخشے ہمارے گناہ ہم پر کرے اپنا فضل
پھر ملے اسلام کو عظمت شان قدیم
قوم میں ہو اتفاق اور ہو پہلا سا جوش
ہمت ادھر ہو بلند، عزم ادھر ہو صمیم

حیف ہے لوٹ آئیں پیاسے اب بھی قسمت کے ولی
ہم کھڑے ہیں چشمہ آب بقا کے سامنے
درد مندوں کے دلوں کا چارہ فرما ہے وہی
ہو گئی عاجز قضا جس کی دُعا کے سامنے

جھک گئی تھیں تاجداران جہاں کی گردنیں
پاسبانان حریم مصطفیٰ ﷺ کے سامنے

وہ جو سو رہا ہے مدینے میں کوئی جا کے اس کو خبر یہ دو
چلی آ رہی ہیں وہ آندھیاں کہ چمن حضور ﷺ کا اڑ چلا
لقب اُمۃً وسطاً دیا جنہیں تیرے فضل نے اے خدا
پس وپیش وراس وچپ آج کیوں وہی سختیوں میں ہیں مبتلا
نگہ کرم تری کس لیے ہے ستم زدوں سے پھری ہوئی
ہم اُسی کے ہیں ترے لطف نے جسے دی نوید وما قلیٰ

دہلیز مصطفیٰ ﷺ سے مرا سر لگا رہے
طالب نہیں میں جنت و حور و قصور کا

خمخانہ الست کے خمار ہیں کہاں
عہد سلف کے رند قدح خوار ہیں کہاں
اس بادہ شبینہ کے سرمست ہیں کدھر
پیمانہ مدینہ کے سرشار ہیں کہاں

اسلامیوں کا شوق شہادت کدھر گیا
جو سر تھے زینت رسن و دار ہیں کہاں
وہ کشتگانِ خنجر تسلیم کیا ہوئے
وہ عاشقان احمد مختار ﷺ ہیں کہاں
طوفاں زدوں کو جن کی ضیا تھی دلیل راہ
طیبہ کی روشنی کے وہ مینار ہیں کہاں

.....

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دُعا ہی تیری اُمت کا علاج

ظفر علی خاں، نعت کے آئینے میں اپنی ذات کو بھی دیکھنے، جانچنے اور سمجھنے کے بعد سنبھلنے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ گو ذات کی یہ بات، کائنات تک پہنچتی ہے اور ہم ان کی نعت پڑھتے پڑھتے ایک طرف خود کو، اپنی بے عملی کے اعتبار سے، حضور رسالت مآب ﷺ میں لرزاں و ترساں اور دوسری طرف حضور ﷺ کی رحمتوں کے پیش نظر شاداں و فرحاں پاتے ہیں۔ نعت کہنے کے لیے ایک نعت گو جس اضطراب اور جس احتیاط سے گزرتا ہے، اور نعت کہنے کے بعد اس کے دل کو جو سرمدی کیف نصیب ہوتا ہے، اس کی جھلک بھی اُن کی نعت میں جا بجا دیکھی جا سکتی ہے۔ انہیں اعتراف ہے کہ نعت سرائی کے طفیل، ان کی

زبان، رشک کلیم، اُن کی فکر، سرمایہ ناز، اُن کا ذوق سلیم، وجہِ تفاخر اور اُن کا وجود، عیسیٰ گردوں نشین کا شریک و سہیم ہے، اور یہ اعتراف، جس نعت میں فخر و ناز اور تشکر و امتنان کے سانچے میں ڈھل کر ابھرتا ہے تو ہر دل کی صدا بن جاتا ہے۔

ہم ترے احکام پر جب تک عمل کرتے رہے
ہم کو ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کہیں اپنا مثیل
پرچم اسلام اک عالم پہ لہراتا رہا
مشوروں میں ہم رہے اقوام عالم کے دخیل
جب چمکتا تھا ہمارا خنجر خارا شگاف
فتح و نصرت کو نہ ہوتی تھی مجال قال و قیل
مشرق و مغرب کے دفتر کو اُلٹ دیتے تھے ہم
اور ہمارے فیصلے کی ہو نہ سکتی تھی اپیل
تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا
جو کہ ہے مقبول درگاہ خداوند جلیل
ہم بھلے ہیں یا برے ہیں، تیرے آخر ہیں غلام
ہم کو ہم چشموں میں اے آقا ﷺ، نہ ہونے دے ذلیل

.....

قصد یہ کر رہا ہوں میں نعت تری رقم کروں

کوزہ میں بھر رہا ہوں میں مایہ دجلہ و فرات

کہنے کو ہوں آج میں نعت رسول کریم ﷺ
میری زبان کیوں نہ ہو رشک زبانِ کلیم
مایہ نازش مجھے ہے مری فکر رسا
وجہ تفاخر مجھے ہے مری طبع سلیم
بسکہ ہے لب پر مرے فخر رسل ﷺ کی ثنا
عیسیٰ گردوں نشیں کا ہوں شریک و سہیم

عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر
ہمیں دیکھنا چاہیے انتہا کو
عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن
دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفیٰ ﷺ کو

درد مندوں کی دُعا کا چارہ فرما ہے وہی
ہو گئی عاجز قضا جس کی دُعا کے سامنے
جھک گئی تھیں تاجدارانِ جہاں کی گردنیں

پاسبانان حریم مصطفیٰ ﷺ کے سامنے

نظم میں آ جائے حسانؓ ابن ثابت کا جو رنگ
شعر کہنے کا مزہ، لطف ثنا خوانی بھی ہے
مدح خواں میں ہوں رسول اللہ ﷺ کا، میرا صلہ
عالم باقی بھی ہے اور عالم فانی بھی ہے
میری نذر گوہریں پہنچے گی ان تک خودبخود
موتیوں کی گر درخشانی ہے، غلطانی بھی ہے

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور ﷺ پر
میری ہزار جان ہو قربان مصطفیٰ ﷺ
رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے
چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامان مصطفیٰ ﷺ

مجھے دین و دنیا کی دولت ملی ہے
کہ ہے میرے ہاتھوں میں دامانِ احمد ﷺ
مری مدح کرتی ہے ساری خدائی

ہوا ہوں میں جب سے ثنا خوان احمد ﷺ
ترانے مرے عرش پر گونجتے ہیں
میں ہوں عندلیب گلستانِ احمد ﷺ

....

اِس ورق پر، پرتو افگن ہے ترا سحر حلال
اور بہار اس خامہ معجز رقم کی تجھ ﷺ سے ہے

....

جب نبی ﷺ کی نعت میں مصروف ہوتا ہے قلم
کیسے کیسے خوشنما موتی پروتا ہے قلم
مغفرت کی التجا کرتا ہے کاغذ کے سپرد
معصیت کے اگلے پچھلے داغ دھوتا ہے قلم
کم نہیں خار مغیلان عرب سے اس کی نوک
جس کو یورپ کے کف پا میں چبھوتا ہے قلم
اس کی ہر جنبش کا فریادی ہوا پاپائے روم
جس سے بیڑا اس کا قلزم میں ڈبوتا ہے قلم
جن کی قسمت کو جگانے میں ہے صرف اس کا صریر
پاؤں پھیلا کر کب اُن کی طرح ہوتا ہے قلم

راہ حق سے سر کٹا کر بھی نہ چلنے سے رکا
جاودانی زندگی کا بیج بوتا ہے قلم

....

سورج کو جس کے نور نے رخشندہ کر دیا
موتی کو جس کی آب نے شرمندہ کر دیا
اپنے کرم کا آپ ہی جوئندہ کر دیا
پھر میری احتیاج کو پائندہ کر دیا
ہوتا ہے جن میں نام رسول خدا ﷺ بلند
ان محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا
سردار دو جہاں ﷺ کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تا بہ ابد زندہ کر دیا

....

رکھ مسند رسول ﷺ کی عزت کو برقرار
اسلام کے ہلال کا پرچم اڑائے جا

....

سر پر پہن کر آئے گا تاج شہنشہی
تو مصطفیٰ ﷺ کے گھر جو گدایانہ جائے گا

مجھ کو دربار رسول اللہ ﷺ میں جانا ہے آج
نذر کو اے میری چشم تر کوئی گوہر نکال

گوشہ دل سے کوئی چلتا ہوا جادو دکھا
مقتل جاں سے کوئی جلتا ہوا اخگر نکال

حوصلے یونہی نکلتے جائیں گے اے دل ترے
آنکھ سے قلزم بہا، اور آہ سے آذر نکال

حاملان عرشِ اعظم کی بلاغت ہے نثار
میری طبع نکتہ رس کی یثربی افتاد پر

حق یہ ہے کہ حضور ﷺ کے فیضان کا سلسلہ بیکراں ہے۔ خود آگہی سے لے کر خدا آگاہی تک کتنی ہی منزلیں ہیں جو اُن کے طفیل ہمیں نصیب ہوئیں، قلب ونظر کی کتنی ہی بصیرتیں ہیں جو ہمیں اس بارگاہ سے عطا ہوئیں۔ فکرو عمل کی کتنی ہی عظمتیں ہیں جن سے ہم نوازے گئے۔ دل کی دھڑکنیں ہیں تو اُن کی یاد سے نورانی، روح کی دُنیا ہے تو اُن کے ذکر سے معمور اور ذہن کا تقدس ہے تو اُن کی محبت سے مستنیر اور یہ انہی کا تعلق ہے کہ جس کی وجہ سے صحرائیوں کو دہر کی دارائی مل گئی تھی۔ اُن کی رحمت، اُن کے کرم اور اُن کی نوازش پر جتنا بھی غور کیا

جائے، دل سپاس وشکر کے عالم میں اتنا ہی جھکتا چلا جاتا ہے۔ سپاس وتشکر کا یہی عالم، مولانا کی نعت گوئی کے آئینے میں دیکھیے۔

لطف خدائے پاک کی تصویر کھنچ گئی
پھرنے لگے جب آنکھ میں احسان مصطفیٰ ﷺ

اے کہ آرائش ہماری داستاں کی تجھ سے ہے
اے کہ افزائش ہماری عز و شاں کی تجھ سے ہے
ملت بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس با تجمل کارواں کی تجھ سے ہے

جھکا دیں گردنیں فرط ادب سے کج کلاہوں نے
زباں پر جب عرب کے سارباں زادوں کا نام آیا
پھٹ گئے بادل، گھٹ گیا طوفاں، چھٹ گئی ظلمت، کٹ گئی رات
حامل زورق احمد مرسل ﷺ، ملتِ بیضا ہے محمول

جس کو اُس زلف سیہ تاب کا سودا ہو گا
گر بلالؓ حبشی ہے تو وہ دارا ہو گا

فرش اس کے لیے بن جائے گا ہم پایہ عرش
اور ثریٰ میں ہے تو برتر ز ثریا ہو گا

اپنے اندر نظر آئے گا اسے ایک جہاں
اس جہاں پر اُسے ہر قسم کا دعویٰ ہو گا

دل میں جلوے اُسے فاران کے آئیں گے نظر
اور دماغ اس کے لیے سینہ سینا ہو گا

ہم خاک تھے حضور ﷺ نے اکسیر کر دیا
کتنا بڑا حضور ﷺ کا احسان ہو گیا

بھر کر دیا وہ جام جہاں میں حضور ﷺ نے
پی کر گدائے میکدہ سلطان ہو گیا

عرب اور عجم کے ذرے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر ادھر بھی ہو گی

غلامی کر محمد مصطفیٰ ﷺ کی
گدائی چھوڑ دے، سلطان ہو جا

محمد ﷺ کے جھنڈے کے سائے کے نیچے
فلک کے ستائے ہوؤ، سر چھپاؤ

چشمہ ابل رہا ہے مدینہ میں نور کا
ہر اس کی موج رقص ہے میرے شعور کا

چھنتا ہے جلوہ اس کی فضائے لطیف کا
صبح ازل کے نور سعادت ظہور کا

ایک ایک سنگ ریزہ احد کا مرے لیے
ہم سنگ ہے خدا کی قسم کوہ طور کا

سر خاک پر ہے اور تصور ہے عرش پر
مجھ کو ہوا نصیب مواجہ حضور ﷺ کا

جو کرنی ہے جہانگیری، محمد ﷺ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ، خداوند عجم ہو جا

وہ خود اُمی تھے مگر کون و مکاں کے اسرار

حکما سیکھ گئے اُن کے دبستانوں سے
اب جو آئی ہوئی ہے گلشن گیتی میں بہار
رنگ اڑا لائی ہے ان ہی کے گلستانوں سے

....

خدائے پاک بے شک نور ہے سات آسمانوں کا
ان آنکھوں نے مگر اس نور کو دیکھا ہے فاراں سے
رسول اللہ ﷺ کی امت ہے زینت ساری دنیا کی
تمدن کی بھری محفل کی رونق ہے مسلماں سے

....

مسلمانو! ہے آزادی کا یہ اک سہل سا لٹکا
محمد ﷺ کی غلامی کا کمر سے باندھ لو پٹکا
نشاں مٹنے نہ پائے دیکھنا امت کے ماتھے سے
حضور خواجہ طیبہ ﷺ کے دروازے کی چوکھٹ کا

....

بہار باغ رسالت کی آمد آمد ہے
خدائے پاک کی رحمت کے چھائے ہیں بادل
عرب سے اٹھ کے زمانے میں یہ گھٹا برسی

درخت سبز ہوئے، پھوٹنے لگی کونپل
جہان و اہل جہاں کی پلٹ گئی کایا
کھلا دریچہ رحمت، کھلے دلوں کے کنول
حضور سرور کون و مکاں ﷺ کو لازم ہے
کہ دیجے نذر تحیات احسن و اکمل
بشر کہ اس کو خدا نے کہا ظلوم و جہول
بنا ہے اُن کے تصدق میں اعلم و اعدل
نبی ﷺ نے درس تمدن دیا زمانے کو
بتایا راز اخوت بشر کو پہلے پہل
علم محبت و اخلاق کا بلند ہوا
کیا رسول ﷺ نے ملک نفاق مستاصل
فقط یہ بات کہ ہم ان کے نام لیوا ہیں
کرے گی اُمت عاصی کی مشکلات کو حل

عموماً کہا جاتا ہے کہ آج ابوالکلام اور ظفر علی خاں کا دور باقی نہیں رہا۔ آج کا قاری سادہ اور منطقی تحریر چاہتا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ بزرگ صحیح معنوں میں پڑھے لکھے تھے۔ اسی دور کے ''بی۔ اے'' علم وفضل کا شاہکار ہوتے تھے۔ اور اُن کے قلم کی ہلکی سی جنبش بھی لولوئے لالا ڈھالتی چلی جاتی تھی۔ اور اس سے بھی

انکار مشکل ہے کہ آج کے ایم۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی دانشور اِن بزرگوں کی تحریروں کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھ بھی نہیں سکتے، سمجھنا تو دور کی بات ہے۔ ظفر علی خاں کی نثر ہو یا نظم، خطابت ہو یا عام گفتگو وہ عربی کی بلاغت اور فارسی کی حلاوت سے مالا مال ہوا کرتی تھی۔ اُن کی تراکیب پُرشکوہ برجستگی کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔ اُن کے قلم سے نکلنے والا ہر جملہ اور ہر مصرع خود بولتا اور دور سے جانا اور پہچانا جاتا تھا کہ تحریر لکھنے والے کی علمی رفعتوں کا نشان ہوا کرتی ہے۔ ایسے ہی لکھنے والوں کو صاحب طرز کہا جاتا ہے۔ ظفر علی خاں کی نعتوں میں خوبصورت تراکیب بکثرت ملتی ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

رونق بزم دودہ آدم، خواجہ گیہاں، جادہ شناس منزل وحدت، جلوہ نمائے نورِ حقیقت، خیر مثل، فضل مجسم، صورت احساں، پیکر رحمت، نشانِ حجت حق، مظہر شان جلیل، شفیع مطاع، قسیم جسیم، نسیم وسیم، ظلمت جہل سقیم، سوزش آب جحیم، شب ہائے غاسق، دین قویم مصطفیٰ (ﷺ) سیادت ایماں، ضلالت کفر، گلیم فقر، سواد طور، اوج شعیر، شرار جستہ، خاکستر شعور، سراپردہ ظہور، دیدہ ہوش۔

مولانا زبان و بیان کی بہترین صلاحیتوں کے باوجود خوب سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مدحت الفاظ کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہاں تو ہر کمال فن، سر بگریباں نظر آتا ہے۔ اس لیے وہ اُس بارگاہ ناز میں نیاز و نذر کے لیے، آنسوؤں کے موتی سنبھالتے، دل کے گوشوں سے اخلاص چنتے، اور منقلِ جاں سے سوز و

تپش کی نعمت لیتے ہیں۔ کیونکہ فنِ شاعری اگر خلوت کی جلوت ہے تو نعت تنہائی کی ایک ایسی عبادت ہے جسے جگر کے لہو اور آنسوؤں کے پانی سے باوضو ہو کر ادا کی جانے والی "نمازِ نیاز" ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کو سرسید سے تعلق خاطر تھا اور وہ سرسید تحریک سے متاثر اور علی گڑھ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور تھے۔ یہ تحریک بھی ایک نوع سے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ہی سے متعلق تھی۔ مولانا حالی بھی مسلمانوں کے حال زار پر روتے رہے اور اُن کی شاعری ہچکیوں اور آہوں کی ایک نغماتی شکل بنی رہی۔ مولانا شبلی نے تاریخی حقائق کو نظم کیا کہ ان منظوم واقعات سے گرے ہوئے دل و دماغ، عزت و آبرو کی اونچی سطح تک پہنچ جائیں، کہ تاریخ ہماری عظمت گزشتہ کی دلچسپ داستان بھی ہے اور ہمارے کمال شوکت اسلاف کا پرشکوہ بیان بھی۔ علامہ اقبال کی شاعری بھی اسی ملی درد، قومی احساس اور تجلی قلبی سوز کی آئینہ دار ہے۔ مگر اس میں جرات رندانہ کی ایک مومنانہ شان ہے۔ وہ اس بادِ سحر کو پسند ہی نہیں کرتے جس سے چمن اسیر ہو کر رہ جائے، انہیں اپنے ماضی پر ناز ہے، اور اس ماضی کی روشنی میں وہ ایک تابندہ مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں، اُن کی شاعری قلب مومن کی یقین آفرین کیفیتوں کا ایک مترنم اظہار ہے۔ اُن کے کلام میں فلسفی کی عقل، شاعر کا وجدان اور مومن کا عشق منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔۔۔ مولانا ظفر علی خاں کے قلم کا ہر نقش، اور نطق کا ہر بول کسی نہ کسی پہلو

سے سرسید، حالی، شبلی اور اقبال سے اثر پذیر ہے۔ حب رسول ﷺ ان تمام شخصیتوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اس جذبے کا اظہار مختلف مقامات پر مختلف انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ سرسید نے خود کو تعلیم کے لیے وقف کیا۔ حالی نے شعر و ادب کی اصلاح کی، شبلی نے اپنی توجہ تاریخ پر مرکوز رکھی۔ اقبال نے حکیمانہ بصائر سے فکر و نظر کے ایوان روشن کیے جب کہ مولانا ظفر علی خاں کے ہاں ان سب کے رنگ و آہنگ کا ایک دل آویز امتزاج نظر آتا ہے۔ مگر اُن کا عشق رسول ﷺ صحافت، سیاست اور خطابت سے ہم آہنگ ہو کر اپنے عصری تقاضوں کا بھرپور ساتھ دیتا رہا۔ اُن کی انفرادیت ہر مقام پر خطیبانہ شکوہ اور ادیبانہ انداز کے ساتھ نمایاں رہی۔ اور اس پر مولانا کی بدیہ گوئی، موقع بہ موقع ایسے گوہر تراشتی اور ایسے ستارے ابھارتی رہی کہ بسا اوقات اقبال بھی حیران رہ جاتے تھے۔ اور اُن کے قلم کی عظمت، طبیعت کی روانی، جذبے کی صداقت اور فکر کی رفعت کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حدیث صرف اقوال رسول پاک ﷺ ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ اُن رجال و اعمال کا تذکرہ بھی ہے جنہیں چشم رسالت ﷺ نے نگہ تحسین سے دیکھا۔ یوں ناموس رسالت ﷺ میں جانیں قربان کرنے والے نفوس قدسیہ کا شعری تذکرہ بھی ایک نوع سے نعت ہی کا ایک دلکشا و دلگداز باب ہے کہ انہوں نے ایوان نعت کو اپنے لہو سے رنگینی و رعنائی عطا کی۔ حمایت علی شاعر نے تو انسانی

عظمت کے ہر تذکرے کو بھی نعت ہی کی ذیل میں شمار کیا ہے کہ یہ بھی فیض ہے اس اُمی لقب ﷺ کا کہ جس نے انسان کو باخدا انسان بنا دیا۔

میں آدمی کا قصیدہ جو لکھتا رہتا ہوں
قصیدہ شہ لولاک ﷺ کے سوا کیا ہے

مولانا شبلی ہی کے انداز میں، ظفر علی خاں نے بھی ت سے تاریخی واقعات کو نظم کیا ہے۔ حضرت زیدؓ کو کفار نے جس انداز سے سولی پر چڑھایا اور اس عاشق صادق نے جس جذبے سے جان دی، اس کو مولانا کے قلم نے اس رنگ سے شعری شکل دی ہے کہ خنک سے خنک قاری کا خون بھی کھول اٹھتا ہے۔

پرستارانِ لات و نسر مشکیں زیدؓ کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے
قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقص بسمل کا تماشا دیکھنے آئے
جبین زیدؓ پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبحِ اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے
یہ اطمینان کامل دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بدر کے داغ اور چمکائے
ابوسفیاں پکارا، کیا ہی اچھا ہو محمد ﷺ کو

تیرے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے
تڑپ اٹھتا ہوں جب مجھ کو وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقت ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دہرائے
مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نام محمد ﷺ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سر پا اس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

ایک محفل میں کسی نے شیخ سعدیؒ کے اس قطعے کا ذکر کیا جو نعتیہ قطعات میں ضرب المثل بن چکا ہے۔ یعنی بلغ العلی بکمالہ .... اور کہا کہ کاش اردو یا فارسی میں بھی کوئی ایسی چیز ہوتی کہ ہم اُسے نقش جاں اور ورد زباں بنا سکتے' مولانا کی طبع رسانے وہیں یوں تضمین کا حق ادا کیا کہ اُسے پڑھ کر ذوق سلیم مدتوں مسحور لذت رہ سکتا ہے۔

سخن آورم ز کمال اوُ ز شکوہ اوُ ز جلال او
کہ نہ دیدہ چشم مثیل اوُ نہ شنیدہ گوش مثال او
بلغ العلی کمالہ کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ
زعرب چکیدہ ملاحتش' زعجم دمیدہ عذ وتبش

نمکے کہ ریخت جمال اوُ شکرے کہ بیخت مقال او
بلغ العلی کمالہ کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ
ہمہ کس فرا خور ذوق خود ز ازل گرفتہ مقدرے
تو ز لعل وگوہر و سیم وزر' من و دست و دامنِ آل ﷺ او
بلغ العلی کمالہ کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

ذکر رسول پاک ﷺ کے ضمن میں مولانا ظفر علی خاں کا یہ قلمی شاہکار بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی چالیس حدیثوں کو اردو میں منظوم کیا۔ جبکہ انہی چہل حدیث کا منظوم فارسی ترجمہ مولانا جامیؒ نے کیا تھا۔ مولانا کے منظوم اُردو ترجمے کو اولین مقام حاصل ہے۔ بعد میں روش صدیقی نے بھی انہی احادیث کو منظوم شکل میں محفوظ کیا۔۔۔۔ اور آخر میں مولانا کی ایک دُعا کہ وہ مولا کریم کی رحمتوں سے بھی حب مصطفیٰ ﷺ ہی کے تمنائی ہیں۔

الٰہی' برق غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے
مجھ آتش زیر پا کو ساتھ ہی آتش نوا کر دے
مری تقریر سحر آلود میں کر وہ اثر پیدا
کہ اہل درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے

دیا ہے علم اگر تو نے تو ساتھ اس کے عمل بھی دے
کہ شرح لیس للانسان الا ماسعیٰ کر دے

بتا دوں گا کہ خاک ہند یوں اکسیر بنتی ہے
مری پلکوں کو جاروبِ حریم مصطفیٰ ﷺ کر دے

مولانا ظفر علی خاں ۱۸ جنوری ۱۸۷۳ء کو سیالکوٹ کے ایک گاؤں کوٹ میرتھ میں پیدا ہوئے۔ نام خدادادرکھا گیا اور تاریخی نام ظفر علی تجویز ہوا۔ والد کا اسم گرامی مولوی سراج الدین احمد تھا جو کشمیر میں محکمہ ڈاک میں ملازم تھے۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد ظفر علی خاں بھی اسی محکمے میں ملازم ہوئے۔ مگر بات چل نہ سکی۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں چلے آئے، یہیں سے بی اے کیا۔ مولانا شبلی کی وساطت سے نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے۔ ۱۸۹۶ء میں حیدر آباد دکن میں نظام دکن کے ہاں فوجی ملازمت کی۔ بعد میں اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری کے عہدے تک پہنچے۔ ۱۹۰۳ میں حیدر آباد دکن سے دکن ریویو کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ اکتوبر ۱۹۰۹ میں بوجوہ دکن سے کرم آباد آئے۔ دسمبر ۱۹۰۹ میں والد کے انتقال کے بعد ''زمیندار'' کی ادارت سنبھالی۔ ۱۹۰۱ میں کرم آباد سے پنجاب ریویو کے نام سے ایک ماہوار علمی پرچہ جاری کیا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۱ کو روزنامہ زمیندار لاہور سے شائع ہوا۔ مولانا کی بہت سی نثری اور شعری تخلیقات ہیں۔ خیابان فارس، معرکہ مذہب وسائنس، سرِ ظلمات، لطائف الادب،

حقیقت و افسانہ، حقائق و معارف، فاروق اعظمؓ مقالات ظفر علی خاں، شور محشر، حبسیات، بہارستان، نگارستان، چمنستان، ارمغان قادیان، غلبہ روم، علامہ جمال الدین افغانی، ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر اور خمستان حجاز قابل ذکر ہیں۔

۲۷ نومبر ۱۹۵۶ کو مولانا طویل علالت کے بعد وفات پا گئے اور کرم آباد ہی میں دفن ہوئے۔ اس عظیم انسان کی تدفین کے بارے میں آغا شورش مرحوم یوں اظہار تاسف کرتے ہیں:

''ایک اتنے بڑے انسان کی اتنی سنسان موت۔۔۔ معاً سوچ کے زاویے بدلنے لگے، ایک زمانہ تھا کہ ظفر علی خاں کے جلوس کو پنجابی رؤسا کے بچوں نے اپنے بازوؤں سے کھینچا تھا۔ اور اس برصغیر کے لاکھوں لوگ ربع صدی تک اُن کے لیے آنکھیں بچھاتے رہے تھے۔ آج اُن کا جنازہ ایک بیٹے، دو پوتوں، تین بھائیوں اور چار ملازموں کے کاندھوں پر اُٹھا اور اُسی احاطے میں پانچ گز کے فاصلے پر وہ سپرد خاک کر دیئے گئے''۔

یہ ہے اُس قیامت خیز انسان کا تمت بالخیر، جس نے اپنی وفات سے کچھ سال پہلے اُردو کانفرنس پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اپنے رعشہ دار وجود کو سنبھالتے ہوئے، لرزتی آواز اور کپکپاتے ہوئے لفظوں میں یوں خطاب کیا تھا کہ تب ان کی زبان میں گویائی آخری لپک لے رہی تھی:

''ہمارا قافلہ منزل مقصود تک پہنچ چکا ہے۔ اس کے بعد تمنائے راہ پیمائی

تو ہے مگر قوت رہ پیمائی نہیں۔ کبھی ہم تماشائی تھے اور دنیا تماشا۔ اب ہم تماشا ہیں اور دنیا تماشائی۔ جہاں چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا ہوتی ہے' وہاں ڈوبتے ہوئے آفتاب کو کون پوچھتا ہے اور ہم تو ڈوبتے ہوئے ستاروں کی طرح دُنیا پر نظر ڈال رہے ہیں''۔

یہ تھا وہ آفتاب لبِ بام' جسے کبھی عظمت کی ہوائیں رُک رُک پر اور شوکت کی گھٹائیں جھک جھک کر سلام کرتی تھیں۔ جو اپنے پیکرِ خاکی میں روحِ سیماب لے کر آیا تھا۔ جو عمر بھر اسوہ یوسفؑ پر کاربند رہا۔ پاک دامن بھی اور پابند سلاسل بھی۔ جس کا قلم تاریک راہوں میں بجلی کی طرح چمکتا اور رعد کی طرح کڑکتا رہا۔ جس کی آواز صاعقہ بردوش اور جس کا خیال ثریا بکنار تھا۔ جس کی بارگاہ شعر و ادب میں فصیحان تمرو خوسر بجیب تھے۔۔۔۔۔ اور خدا اور رسول ﷺ سے تعلق خاطر نے جسے بہر عنوان ارجمند بنا دیا تھا۔ جو کبھی کاروان شوق کا سالار محتشم تھا اور جس کے نقوش پا' دیارِ وفا تک جانے والوں کے سنگ میل ہی نہیں' منزل بھی تھے ۔۔۔۔۔ اور

مشعل سحر کی آج بھی تاباں اُسی سے ہے
تاریکیوں میں چاک گریباں اُسی سے ہے

☆☆☆

کلام ظفر علی خاں میں جہاں یثرب کا لفظ تھا اسے "طیبہ" میں بدل دیا گیا ہے۔

ماخذ

1- چند نئے اور پرانے شاعر۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ ۱۹۸۴

2- چناب۔ ادبی مجلہ گورنمنٹ کالج وزیر آباد۔ ظفر علی خاں نمبر۔ آفتاب نقوی

3- مرغزار۔ ادبی مجلہ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ۔ ظفر علی خاں نمبر۔ ۱۹۸۱۔ عبدالجبار شاکر

4- ظفر علی خاں۔ شورش کاشمیری

5- آوازِ دوست۔ مختار مسعود

6- ظفر علی خاں اور اُن کا عہد۔۔۔۔۔ عنایت اللہ سوہدروی

7- مولانا ظفر علی خاں۔ پروفیسر غلام حسین ذوالفقار

8- خمستانِ حجاز۔ ظفر علی خاں

9- آفتابِ نبوت۔ قاری محمد طیب

10- اُردو کی ادبی تاریخ کا خاکہ۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ اُردو اکیڈمی سندھ کراچی۔ اگست ۱۹۶۵

11- ستارۂ صبح۔ کرم آباد۔ مدیر ظفر علی خاں۔ مختلف شمارے

12- ظفر علی خاں کی نعت نگاری۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن۔ مطبوعہ نعت رنگ کراچی شمارہ ۶

قارئینِ کرام سے دُعا کی درخواست

میری صلاحیتیں والدین کے حُسنِ تربیت کے باعث نعت کی خدمت کے لئے مختص ہوئی ہیں اور ماہنامہ "نعت" لاہور کا اجرا میرے والد مرحوم راجا غلام محمدؒ (متوفی ۱۶ مئی ۱۹۸۸ بروز پیر) اور میری والدہ مرحومہ نور فاطمہؒ (متوفیہ ۱۹ اگست ۱۹۹۰ بروز اتوار) کی اشیرباد سے ہوا۔ اس لئے اگر آپ کو ماہنامہ "نعت" میں کوئی چیز پسند آجائے تو ان کی بلندی درجات کے لئے دعا کریں۔

۔۔۔۔۔۔ ایڈیٹر

اخبارِ نعت

خطباتِ سیرت

1۔ مدیرِ نعت کے خطباتِ سیرت کا سلسلہ اگست 1999 سے جاری ہوا۔ ۲۰ واں اجلاس ۱۴۔ اپریل (ہفتہ) کو حسبِ سابق قائداعظم لائبریری' باغ جناح' لاہور میں ہوا۔ روایت کے مطابق اجلاس ٹھیک تین بج کر تیس منٹ پر شروع اور پانچ بج کر تیس منٹ پر ختم ہوا۔ اس مرتبہ حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ۲۰ سے ۲۵ برس تک کے واقعات کا علمی و تحقیقی تجزیہ کیا گیا۔ مہمانِ خصوصی سعید بدرؔ سے ان کی نعت سنی گئی۔ محمد ثناء اللہ بٹ' محمد لطیف ملک' محمد ارشد قادری' محمد اقبال بٹ اور ڈاکٹر منور حسین نے نعت خوانی اور حافظ غلام حسین نقشبندی نے تلاوتِ قرآن مجید کی۔ سعید بدرؔ (مدیر ہفت روزہ ''سب کا'' لاہور) اپنا تحریری خطبہ نہ پڑھ سکے لیکن بعد میں اپنے جریدے (یکم تا ۷ مئی (۲۰۰۱) میں چھاپ دیا۔ اس میں مدیرِ نعت کی تعریف کی گئی تھی۔ اجلاس کی نظامت اظہر محمود نے کی۔

2۔ ۱۹ مئی کو خطباتِ سیرت کا ۲۱ واں اجلاس ہوا جس میں آقا حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے ۲۶ برسوں سے چالیس برسوں تک کا تذکرہ ہوا۔ اجلاس کے مہمانِ خصوصی الحاج محمد حسین گوہر (ہمدرد کتب خانہ لاہور) تھے جنھوں نے ۱۹۹۳' ۱۹۹۴ میں ''نعت ایوارڈ'' جاری کیے تھے۔ محمد ثناء اللہ بٹ' سید اوصاف علی شاہ' سید نوید قمر' محمد اقبال بٹ' اور محمد لطیف ملک نے نعت خوانی اور حافظ غلام حسین نے تلاوتِ کلامِ پاک کی۔ مہمانِ خصوصی نے محبتِ رسول ﷺ کی اہمیت کے موضوع پر مختصر تقریر کی۔ حافظ غلام حسین نے دعا کرائی۔ ناظم اجلاس اظہر محمود تھے۔

> خطباتِ سیرت کا ۲۲ واں اجلاس ۱۴۔ جون (جمعرات) کو ساڑھے تین سے ساڑھے پانچ بجے تک ہوگا۔ وہیں قائدِاعظم لائبریری میں

متفرقات

1۔ ۷۔ اپریل (۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ) کو ایوانِ درود و سلام کے زیر اہتمام ۱۳۱ واں حلقہ

درود پاک حسب سابق جامع مسجد عکس گنبد خضرا' پل نہر' اپر مال لاہور میں بعد نماز عصر شروع ہوا۔ حسب معمول پہلے خاموشی سے درود پاک پڑھا گیا۔ بعد میں حافظ زاہد حسین نے تلاوت قرآن کریم کی سعادت حاصل کی۔ محمد ثناء اللہ بٹ نے مدیر نعت کے چودھویں اردو مجموعہ نعت ''نعت'' میں سے ایک' اور پنجابی مجموعہ نعت ''نعتاں دی اَتّ'' سے ایک نعت سنائی جبکہ سجاد حسن نے بھی ''نعت'' میں سے ان کی نعت سنائی۔ حافظ قاری محمد عمر نے دعا کرائی۔ نظامت حسب روایت مدیر نعت نے کی۔

2۔ ۸۔ اپریل کو بہبود انسانیت کمیٹی کا سالانہ اجلاس بعد نماز مغرب انگوری باغ سکیم میں ہوا۔ مدیر نعت اس دن اسلام آباد گئے' اس لیے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔

3۔ ۱۱' اپریل کو ریڈیو پاکستان کی پندرہ روزہ محفل میلاد میں مدیر نعت نے ''حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بچوں پر شفقت'' کے موضوع پر تقریر کی۔ یہ محفل میلاد ۱۲۔ اپریل کو نشر ہوئی۔

4۔ ۱۴' اپریل (ہفتہ) کو بعد نماز عشا سید محمد سعید شاہ کے ہاں ڈیفنس میں محفل ذکر حسین (رضی اللہ عنہ) منعقد ہوئی جس میں محمد ارشد قادری نے نعت پڑھی۔ محمد ثناء اللہ بٹ نے شہدائے کربلا کے مناقب پڑھے۔ سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ نے استقامت کے موضوع پر تقریر کی۔ مدیر نعت سے حضرت امام حسینؓ کی منقبت سنی گئی۔

5۔ ۲۲۔ اپریل کو جامع مسجد شاہ شمس قاری' جی او آر ون میں حافظ غلام حسینؒ کی والدہ کے چہلم کی تقریب میں قرآن خوانی کے بعد مدیر نعت نے ''حقوق والدین'' کے موضوع پر تقریر کی۔ ایک مدنی بزرگ نے دعا کرائی۔

6۔ ۲۹۔ اپریل کو ڈاکٹر سید الیاس علی عباسی کے ہاں (بابا فرید روڈ) مدیر نعت نے درس قرآن دیا۔ سورہ الذاریات کا دوسرا رکوع سامنے تھا۔ درس قرآن ساڑھے دس بجے شروع ہوا اور بارہ بجے ختم ہوا۔

7۔ ۳۰۔ اپریل کو سید امتیاز حسین تائج نقشبندی کے ہاں ماہانہ محفل میلاد میں محمد اقبال بٹ' عبدالحی بٹ اور عارف قادری نے نعت خوانی کی۔ مدیر نعت نے نعت کی اہمیت و افادیت کے

موضوع پر گفتگو کی۔ ان سے نعت بھی سنی گئی۔ یہ محفل میلاد ہر قمری ماہ کے پہلے پیر کو بیڈن روڈ پر ہوتی ہے۔

8۔ ۶ مئی کو گیارہ بجے ناصر حسین انصاری کے ہاں (شاہ شمس قاری جی او آر ون میں) محفل میلاد ہوئی جس میں حافظ غلام حسین نقشبندی نے تلاوت کلام پاک کی۔ فرحان احمد اور ناصر حسین انصاری نے نعتیں پڑھیں۔ مدیر نعت نے گفتگو کی۔

9۔ ۷ مئی (۱۲ صفر المظفر) کو ۱۳۲ ویں حلقہ درود پاک میں مشہور قانون دان ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی نے تقریر کی۔ محمد ثناء اللہ بٹ اور سجاد حسن نے نعت خوانی کی۔ مدیر نعت ناظم تقریب تھے۔

10۔ ۱۲ مئی کو حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر دربار پر نعت ومنقبت کا مشاعرہ ہوا۔ صدارت پروفیسر حفیظ تائب نے اور نظامت حسب روایت ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد نے کی۔ مدیر نعت نے پنجابی نعت کے بعد داتا گنج بخش کی اردو منقبت پڑھی۔

مشاعرہ رات دو بجے تک جاری رہا۔

11۔ عرس داتا گنج بخش کے موقع پر روحانی وتبلیغی اجتماعات کے سلسلے میں ہونے والے دوسرے اجلاس (۱۴ مئی۔ بعد نماز ظہر تا عصر) میں پروگرام کے مطابق مدیر نے تعلیمات گنج بخش کے حوالے سے مسدس کی صورت میں اپنی منقبت کے چار بند پڑھے۔

12۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر ۱۴۔ مئی کو مدیر نعت کی چار نعتیں ریکارڈ کی گئیں جو ربیع الاول شریف کے پروگراموں میں ٹیلی کاسٹ کی جائیں گی۔

آیندہ شمارے

☆ جولائی ۲۰۰۱ ساڈے آقا سائیں ﷺ

☆ اگست ۲۰۰۱ سلام ارادت

ماہنامہ ''نعت'' لاہور

جنوری ۱۹۸۸ سے جون ۲۰۰۱ تک

ساڑھے تیرہ برسوں کی باقاعدہ اشاعت میں:

☆ ہر شمارہ نعت یا سیرت کے کسی ایک موضوع پر خاص نمبر

☆ ہر ماہ چار رنگا خوبصورت سرورق

☆ ہر شمارہ (تین شماروں کے استثنیٰ کے ساتھ) کم از کم ۱۱۲ صفحات پر مشتمل

اس دوران میں:

☆ ماہنامہ نعت کے 19262 صفحات شائع ہوئے۔

☆ 559 مقالات ومضامین شائع کیے گئے۔

☆ 6000 سے زاید شعرا کی نعتیہ کاوشیں ''نعت'' کی زینت بنیں۔

☆ 570 مجموعہ ہائے نعت کا تعارف چھپا۔

☆ رسائل وجرائد کے 193 ''رسولؐ نمبروں'' کا تعارف شائع کیا گیا۔

☆ مختلف موضوعات اور مختلف اصناف سخن میں 6250 نعتیں (اور ہزاروں نعتوں کے منتخب اشعار شائع ہوئے۔

ذلک فضل اللہ یئوتیہ من یشاء

الحمدللہ رب العالمین!

درودِ تاج شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ سَیِّدِنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ
وَالْعَلَمِ ط دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ
وَالْاَلَمِ ط اِسْمُهٗ مَکْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ فِی
اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ ط سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ط جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ
مُعَطَّرٌ مُّطَهَّرٌ مُّنَوَّرٌ فِی الْبَیْتِ وَالْحَرَمِ ط شَمْسِ الضُّحٰی
بَدْرِ الدُّجٰی صَدْرِ الْعُلٰی نُوْرِ الْهُدٰی کَهْفِ الْوَرٰی مِصْبَاحِ
الظُّلَمِ ط جَمِیْلِ الشِّیَمِ شَفِیْعِ الْاُمَمِ صَاحِبِ الْجُوْدِ
وَالْکَرَمِ ط اَللّٰهُ عَاصِمُهٗ وَجِبْرِیْلُ خَادِمُهٗ وَالْبُرَاقُ
مَرْکَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهٗ وَعِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی
مَقَامُهٗ وَقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی مَطْلُوْبُهٗ وَالْمَطْلُوْبُ
مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَةٍ
لِّلْعٰلَمِیْنَ رَاحَةِ الْعَاشِقِیْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ
الْعَارِفِیْنَ سِرَاجِ السَّالِکِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ مُحِبِّ
الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ
نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ وَسِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ
صَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ
وَرَبِّ الْمَغْرِبَیْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ مَوْلَانَا وَمَوْلَی
الثَّقَلَیْنِ اَبِی الْقَاسِمِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ
نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ یٰۤاَیُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ صَلُّوْا عَلَیْهِ
وَاٰلِهٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ قَدْرَ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ
وَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ حَسَبَ فَضْلِهٖ وَکَمَالِهٖ زِنَةَ
جُوْدِهٖ وَنَوَالِهٖ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ ۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ ○ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ ○ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ○ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

شہناز کوثر کی کتابیں

1- قوسِ قزح (اسلامی موضوعات پر دھنک رنگ مضامین کا مجموعہ) ۱۹۹۰ـ صفحات ۱۹۲

2- حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت ۱۹۹۱ـ صفحات ۳۱۲

3- حضور ﷺ کا بچپن ۱۹۹۲ـ صفحات ۳۵۲

4- حضور ﷺ کی معاشی زندگی ۱۹۹۳ـ صفحات ۱۷۶

5- ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ ۱۹۹۵ـ صفحات ۱۱۲

6- حضور ﷺ کی مکی زندگی کے مسلمان ۱۹۹۸ـ صفحات ۱۴۰

(مندرجہ بالا چھے کتابوں پر ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۶ اور ۱۹۹۹ کی قومی سیرت کانفرنسوں میں صدارتی ایوارڈ ملے)

7- سیرتِ پاک (۱ سے ۴۰ سال تک) ۱۹۹۳ـ صفحات ۳۶۶

8- حضور ﷺ اور مکہ مکرمہ ۱۴۱۵ھـ صفحات ۱۴۴

9- ہجرتِ حبشہ ۱۹۹۷ـ صفحات ۱۱۲

10- حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین ۱۴۱۴ھـ صفحات ۲۳۲

11- دربارِ رسول ﷺ سے اعزاز یافتہ صحابیاتؓ ۱۹۹۶ـ صفحات ۱۱۲

12- دربارِ رسول ﷺ سے اعزاز یافتہ صحابہؓ ۱۹۹۹ـ صفحات ۱۱۲

13- بیعتِ عقبہ ۲۰۰۰ـ صفحات ۱۴۴

ناشر

اختر کتاب گھر

5- حسن چیمبر۔ عقب مزار قطب الدین ایبک۔ نیو انارکلی لاہور فون: 7230001

اظہر محمود کی تصانیف/تالیفات

1- حضور ﷺ کے سیاہ فام رُفقا (۱۹۹۳)

2- سرکار ﷺ دی سیرت: سال وار (۱۹۹۵)

(۱۹۹۶ میں اس کتاب کو صدارتی ایوارڈ ملا)

3- حضور ﷺ دا ویریاں نال سلوک (۱۹۹۶)

4- سرکار ﷺ دی جنگی زندگی (۱۹۹۸)

(۱۹۹۹ میں اس کتاب پر مصنف کو صدارتی ایوارڈ دیا گیا)

5- نور نبی ﷺ دیاں کرناں (۲۰۰۰)

راجا اختر محمود کی مطبوعہ کاوشیں

1- مجھے اُن ﷺ سے پیار ہے (بچوں کے لیے) (۱۴۱۵ھ)

2- ہُوا یہ کہ...... (بچوں کے لیے) (۱۹۹۶)

(۱۹۹۷ میں اس کتاب پر مصنف کو صدارتی ایوارڈ ملا)

3- ہمارے حضور ﷺ کی زندگی (بچوں کے لیے) (۱۹۹۹)

خانوادہ راجا غلام محمدؒ کے اعزازات

1970 قومی زبان اُردو کے لیے نمایاں خدمات پر انجمن ترقی اردو کی طرف سے راجا رشید محمود کو ''نشانِ سپاس''

1985 نعت گوئی پر مرکزی مجلس حسانؓ قصور کی طرف سے راجا رشید محمود کو ''نعت ایوارڈ''

1988 ''نعتاں دی ڈالی'' (پنجابی مجموعہ نعت) پر راجا رشید محمود کو صدارتی ایوارڈ

1991 ''قوسِ قزح'' (مجموعہ مضامین) پر شہباز کوثر کو صدارتی ایوارڈ

1991 اُردو قاعدہ (برائے جماعت اول) کی ایڈیٹنگ پر وفاقی وزارتِ تعلیم حکومت پاکستان کی طرف سے
راجا رشید محمود کو خصوصی ایوارڈ

1992 ''حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت'' پر شہباز کوثر کو صدارتی ایوارڈ

1992 فروغِ نعت کے سلسلے میں نمایاں خدمات پر پاکستان نعت اکیڈمی کراچی کی طرف سے راجا رشید محمود کو
سلور جوبلی نعت ایوارڈ

1993 ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچپن'' پر شہباز کوثر کو صدارتی ایوارڈ

1993 اشاعتِ نعت پر روزنامہ جنگ اور ہمدرد کتب خانہ لاہور کی طرف سے راجا رشید محمود کو نعت ایوارڈ

1994 ''حضور ﷺ کی معاشی زندگی'' پر شہباز کوثر کو صدارتی ایوارڈ

1994 تحقیقِ نعت پر روزنامہ جنگ اور ہمدرد کتب خانہ کی طرف سے راجا رشید محمود کو نعت ایوارڈ

1995 روزنامہ جنگ اور الہجویری کالجز لاہور کی طرف سے راجا رشید محمود کو نعت ایوارڈ

1995 ماہنامہ ''نعت'' لاہور کی باقاعدہ اشاعت کے آٹھ سال مکمل ہونے پر راجا رشید محمود کو ''نشانِ سپاس''

1996 انجمن رضائے حبیب ﷺ کی طرف سے شہباز کوثر کو سیدۃ النساء العالمین میڈل

1996 ''سرکار ﷺ دی سیرت: سال وار'' پر اظہر محمود کو صدارتی ایوارڈ

1996 ''ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ'' پر شہباز کوثر کو صدارتی ایوارڈ

1997 نعت کے سلسلے میں گرانقدر تحقیقی کام کرنے پر راجا رشید محمود کو صدارتی ایوارڈ

1998 ''ہوا یہ کہ.........'' پر راجا اختر محمود کو صدارتی ایوارڈ

1998 ماہنامہ ''نعت'' کی باقاعدہ اشاعت کے دس سال مکمل ہونے پر راجا رشید محمود کو ''حرفِ استحسان''

1999 ''حضور ﷺ کی مکی زندگی کے مسلمان'' پر شہباز کوثر کو صدارتی ایوارڈ

1999 ''سرکار ﷺ دی جنگی زندگی'' پر اظہر محمود کو صدارتی ایوارڈ

1999 صوبائی سیرت کانفرنس میں راجا رشید محمود کو سیرت ایوارڈ

1999 صوبائی سیرت کانفرنس میں اظہر محمود کو سیرت ایوارڈ

Monthly "NAAT" Lahore (CPL 106)